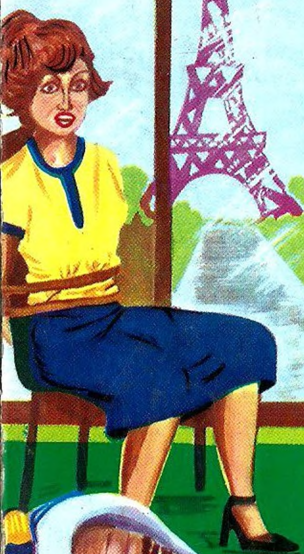
حاتم طائی
پیرس میں







تیسرا حصّہ

حاتم طائی پیرس میں

بچّوں کے لیے ناول

اے۔ حمید



فیروز سنز لمیٹڈ پرائیویٹ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

غیر مجلد: 969 0 00212 0

ترمیم شدہ __________ ۲۰۱۱ء

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

راولپنڈی آفس: 277۔ پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فرسٹ فلور، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔

حاتم طائی پیرس میں	Hatam Tai Paris Mein
اے۔ حمید	A. Hameed

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر

email:support@ferozsons.com.pk

www.ferozsons.com.pk

پُرانا آسیبی قلعہ

حاتم طائی فرانس کے دارُ الحکومت پیرس پہنچ چکا تھا مگر وہ پیرس کی ایک جیل کے ٹھنڈے ویران تہہ خانے میں پڑا تھا۔ اس شہر کے بارے میں اُس نے سُن رکھا تھا کہ اس کی راتیں اور دن بڑے حسین ہوتے ہیں، مگر اس وقت تو وہ جیل میں تھا، بلکہ جیل کے بھی نیچے ایک ایسے تہہ خانے میں جہاں دیواروں سے ٹھنڈ ٹپکتی تھی۔ پلنگ پر ایک دو گندے کمبل پڑے تھے جنھیں اوڑھ کر وہ سو جاتا تھا۔ اُسے دو بار بوڑھی عورت کے قاتل نے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک ایسے جُرم کی وجہ سے قید خانے میں سڑ رہا تھا جو اس نے نہیں کیا تھا۔ اب اُس سے زیادہ انتظار نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے طلسمی منتر کے زور پر یہاں سے نکل جائے گا۔ تہہ خانے میں کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ رات

ہے کہ دن۔

اُس نے قُلابہ کا بنایا ہوا اسم پڑھ کر کہا "اے دیوار غائب ہو جا۔"

مگر دیوار اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ اُس نے دوسری بار منتر پڑھ کر پھُونکا۔ دیوار پھر بھی اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ یہ دُوسری بار تھی کہ اس کا جادُو نہیں چل رہا تھا۔ اُس نے تیسری بار منتر پڑھ کر پھُونکا تو قُلابہ کی آواز آئی:

"اے حاتم، میں نے تم سے چیزوں کو غائب کرنے اور پتّھر بنا دینے کی طاقت واپس لے لی ہے!"

حاتم نے پریشان ہو کر پُوچھا "وہ کیوں؟"

قُلابہ نے جواب دیا "یہ ایک راز ہے جو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ ہاں، تم ایسا کرو کہ شہر کے باہر جنگل میں، جھیل کے کنارے، ایک پُرانا قلعہ ہے۔ لوگ وہاں جاتے ڈرتے ہیں۔ تم وہاں چلے جاؤ۔ جس رات بادل گرج رہے ہوں اور بجلی کڑک رہی ہو، اُس آسیبی قلعے میں تمھیں ایک دوست ملے گا۔ اِس سے زیادہ میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتی۔ اور ہاں، میں نے تم سے زندہ رہنے کی طاقت واپس نہیں لی ہے۔ تمھیں کوئی شخص نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

اتنا کہہ کر قُلابہ غائب ہو گئی اور حاتم تہہ خانے کی کالی کوٹھڑی میں اکیلا رہ گیا۔ اپنی طاقت کے چھن جانے کا اُسے بڑا دُکھ تھا، لیکن اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ پُرانے آسیبی قلعے میں ضرور جائے گا۔ دیکھنا ہوں وہاں مجھے کون سا دوست ملتا ہے۔ ابھی اس قید خانے سے تو نکلنا چاہیے۔ اُس نے یہ سوچ کر تہہ خانے کے دروازے کی سلاخوں میں سے جھانکا۔ باہر کوئی شخص نہیں تھا۔ وہ بنچ پر آ کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں ایک پہرے دار ڈبّے میں پینے کا پانی لے کر آیا۔ حاتم خاموش بیٹھا رہا۔ پہرے دار دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ جُوں ہی اس نے حاتم کی طرف پانی کا ڈبّا بڑھایا، حاتم نے اُچھل کر ایک گھونسا اس کی کنپٹی پر ایسا لگایا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حاتم نے اس کے مُنھ میں کپڑا ٹھونس دیا، اس کی وردی اتار کر خود پہنی اور باہر نکل گیا۔ وہ ہلکی ہلکی روشنی میں، زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر، اُوپر آیا۔ سامنے کمرے کا دروازہ تھا۔ ایک پہرے دار فرانسیسی زبان میں کچھ کہتا ہوا اُس کے قریب سے گزر گیا۔ حاتم کو فرانسیسی زبان نہیں آتی تھی۔ وہ پہرے دار کی طرف دیکھ کر یُوں ہی مُسکرا دیا۔

آگے جا کر پہرے دار رک گیا۔ اُسے شک ہوا تھا کہ یہ شخص کون ہے۔ اس نے حاتم کو پہلے کبھی وہاں نہیں دیکھا تھا۔ وہ واپس پلٹا اور حاتم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی زبان میں کوئی سوال کیا۔ حاتم نے گھومتے ہی اس کے جبڑے پر ایک زور دار مُکا جڑ دیا۔ پہرے دار گر کر بے ہوش ہو گیا۔ حاتم وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اب وہ تھانے کے کمروں کے آگے سے گزر رہا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ کمروں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ سپاہی اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ حاتم چونکہ اِن لوگوں کی وردی میں تھا، اس لیے کسی نے اُس پر شک نہ کیا۔ وہ بڑے اطمینان سے برآمدے کی سیڑھیاں اُتر کر سامنے لان میں آ گیا۔ یہاں بہت سی کاریں اور سکوٹر وغیرہ کھڑے تھے۔ حاتم ان کے بیچ سے ہوتا ہوا تھانے کے بڑے پھاٹک کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک خطرے کے الارم کی آواز سُنائی دی۔ تھانے کے عملے کو اس کے فرار کا پتا چل گیا تھا۔ وہ تیزی سے باہر کی طرف بھاگا۔

وہ پیرس کی شاندار جگمگاتی سڑک کے فٹ پاتھ پر بھاگا جا رہا تھا۔ لوگ مُڑ مُڑ کر اُسے حیرانی سے تک رہے تھے کہ یہ وردی پوش سپاہی اس طرح کیوں بھاگا

جا رہا ہے ؛ حاتم نے محسوس کیا کہ پولیس اس کا پیچھا کر رہی ہے ۔ اُسے پولیس کی گاڑی کے ہُوٹر کی تیز آواز سُنائی دے رہی تھی۔

وہ جلدی سے ایک بغلی گلی میں گھُوم گیا ۔ یہ ایک بلڈنگ کا پچھلا حصّہ تھا اور ایک لوہے کی سیڑھی اُوپر جا رہی تھی۔ ایسی سیڑھیاں ، آگ سے بچاؤ کے لیے ،یورپ کے مُلکوں میں بنائی جاتی ہیں۔ حاتم سیڑھی چڑھ کر بلڈنگ کے چوتھے فلیٹ کے پچھلے برآمدے میں اُتر گیا اور جب پولیس کی گاڑیاں گزر گئیں تو برآمدے میں دیوار کے ساتھ لگ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے ۔ آخر اُس کے دماغ میں یہی ایک بات آئی کہ اُسے کسی نہ کسی جگہ رات بسر کرنی چاہیے ۔ صُبح کو اس شہر سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں چلا جائے گا اور پھر وہاں سے لاہور یا بغداد واپس جانے کی کوشش کرے گا۔

ایک کمرے کی کھڑکی میں روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی ۔ کھڑکی پر سفید پردہ گرا ہوا تھا۔ حاتم نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ اس کا خیال تھا کہ چوں کہ وہ پولیس کی وردی میں ہے اس لیے کسی تلاشی کے بہانے اندر داخل ہو گا اور پھر موقع پا کر کسی کمرے میں پڑ کر

سو رہے گا۔ دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔ مگر سامنے کوئی بھی نہ تھا۔ کسی نے دروازے کے پٹ کے ساتھ لگ کر اس طرح دروازہ کھولا تھا کہ وہ خود دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

حاتم نے احتیاط سے قدم اندر رکھا ہی تھا کہ پستول کی ٹھنڈی نالی اس کی گردن کے ساتھ لگ گئی اور کسی مرد کی بھاری آواز آئی۔ "ہاتھ اوپر اٹھا لو!"

حاتم نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ دو ہاتھوں نے اس کی تلاشی لی کہ کہیں کوئی پستول وغیرہ تو نہیں ہے۔ پھر اس نے حاتم کے دونوں ہاتھ پیچھے رسّی سے باندھے اور خود حاتم کے سامنے آگیا۔ حاتم حیرت سے اُچھل پڑا۔ یہ وہی لمبی لمبی مونچھوں والا قاتل تھا جس نے ایک فلیٹ میں گزشتہ رات ایک بوڑھی عورت کو ہلاک کیا تھا اور جس کے جرم کی وجہ سے حاتم طائی پھنس گیا تھا۔

مونچھوں والا قاتل اسے پچھلے کمرے میں لے گیا جو بیڈ روم تھا۔ یہاں حاتم نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس کو قاتل نے کرسی کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ قاتل نے بوڑھی عورت کے سارے زیورات نکال کر میز پر رکھے ہوئے تھے۔ پھر وہ ان زیورات کو اپنے تھیلے

میں ڈالنے لگا۔ بوڑھی عورت سِسکیاں بھر کر رونے لگی۔ وہ چہرے مُہرے اور رنگ رُوپ سے فرانسیسی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ قاتل مُسکرا رہا تھا۔ جب وہ سارے زیورات اپنے تھیلے میں ڈال چکا تو اس نے پستول کی نال حاتم کی طرف کر دی۔

یہی حاتم چاہتا تھا کہ پہلا فائر اُس پر ہو، کیونکہ اُسے کچھ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر وہ بوڑھی عورت پر گولی چلاتا تو وہ بے چاری مر جاتی۔ اس عرصے میں حاتم نے تھوڑا سا زور لگا کر اپنے ہاتھوں کی رسّی توڑ ڈالی تھی۔ پھر اُس نے اپنے مُنہ میں ٹُھنسا ہوا کپڑا نکال دیا۔ قاتل نے اُوپر تلے دو تین فائر کیے۔ گولیاں حاتم کے سینے اور گردن پر لگیں۔ وہ جُھوٹ مُوٹ فرش پر گر پڑا۔ قاتل اُس کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا:

"آج میں آزاد ہوں۔ اب مجھے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ میں نے اپنے قتل کے چشم دید گواہ کو بھی ہلاک کر دیا ہے۔"

بوڑھی عورت ڈر کر رونے لگی تھی۔ قاتل نے غُصّے سے اُسے جِھڑکا اور پھر حاتم کے سر پر ایک اور گولی مار دی۔ مگر وہ حیران تھا کہ اس کے گولیاں تو چار لگ

چکی ہیں لیکن خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکلا ! یہ کیا بات ہے ! وہ حاتم پر جھکا ہی تھا کہ حاتم نے نیچے سے ایسی لات ماری کہ اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر دُور جا گرا۔ یہی حاتم چاہتا تھا۔ اس نے قاتل کو ٹانگوں سے پکڑ کر نیچے گرا لیا، اور خود اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

قاتل بھی بڑا طاقت ور تھا۔ اس نے حاتم کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر پلنگ پر دے مارا۔ حاتم کو کوئی چوٹ نہ لگی۔ قاتل فرش پر گرے ہوئے پستول کی طرف لپکا تو حاتم نے پلنگ پر سے اُچھل کر ایسی چھلانگ لگائی کہ وہ قاتل کے اُوپر آن گرا۔ دونوں فرش پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

چند لمحوں بعد قاتل نے خنجر نکال کر پوری طاقت سے حاتم کے پیٹ میں گھونپ دیا لیکن وہ حاتم کے پیٹ پر لگ کر یوں ٹوٹ گیا جیسے کسی پتھر سے ٹکرایا ہو۔ قاتل کا ہاتھ بُری طرح زخمی ہو گیا۔ حاتم اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، کیوں کہ وہ خونی تھا۔ اُس نے حاتم کی آنکھوں کے سامنے ایک بے قصور عورت کا خون کیا تھا لیکن حاتم اپنے ہاتھوں خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ

ـسے پکڑ کر قانون کے حوالے کر دے۔
اس خیال سے جونہی حاتم قاتل کی طرف بڑھا، وہ گھبرا کر پیچھے کی طرف بھاگا۔ وہ اس بات سے خوف زدہ تھا کہ حاتم ضرور کوئی جن بھوت ہے، جس پر گولی اثر نہیں کرتی۔ حاتم اُسے پکڑنے کے لیے اُس کے پیچھے بھاگا تو وہ لپک کر برآمدے میں آگیا اور گھبراہٹ میں سیڑھی پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ پھسل کر دو سو فٹ نیچے جا گرا۔
حاتم اُسے وہیں چھوڑ کر واپس بیڈ رُوم میں آگیا۔ سب سے پہلے اُس نے بوڑھی عورت کی رسّیاں کھولیں۔ یہ ایک عرب عورت تھی۔ وہ مُلک شام میں پیدا ہوئی تھی اور ایک فرانسیسی کرنل سے چالیس سال پہلے شادی کر لی تھی۔ اُس کا خاوند مر چکا تھا۔ صرف ایک لڑکا تھا جس کا نام بلال تھا۔ بلال کی عُمر بیس بائیس سال کی ہو گی۔ اسے عربوں سے محبّت تھی اور وہ عرب گوریلوں کے ساتھ مل کر اسرائیلیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوتا تھا۔ ایک برس ہوا کہ وہ فلسطینی گوریلوں کے ساتھ دریائے اُردن عبور کر کے اسرائیلی علاقے میں کسی مُہم پر گیا اور آج تک واپس نہ آیا تھا۔ اس کے دوستوں نے اس کی ماں کو

بتایا تھا کہ اُسے اسرائیلیوں نے قید کر رکھا ہے۔

یہ ساری کہانی اس بُوڑھی عورت یعنی بلال کی ماں نے حاتم طائی کو عربی زبان میں سُنائی۔ حاتم اُس کی دُکھ بھری داستان سے بڑا متأثر ہوا۔ اس نے کہا: "اماں، مجھے بھی تم اپنا بیٹا ہی سمجھو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارے بیٹے بلال کو ایک نہ ایک دن ضرور تلاش کر لوں گا، اور اگر وہ زندہ ہوا تو اُسے تمھارے پاس لے آؤں گا۔"

بُوڑھی عورت نے حاتم کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "خُدا تمھیں ہمت عطا کرے بیٹے! مجھے یقین ہے، اور میرا دل کہتا ہے کہ میرا بیٹا بلال زندہ ہے۔"

حاتم نے کہا "اگر وہ زندہ ہے تو پھر جہاں کہیں بھی وہ ہو گا، اُسے ضرور لے کر آؤں گا۔ تمھارے پاس بلال کی کوئی تصویر ہے؟"

بوڑھی عورت نے حاتم کو اپنے بیٹے کی تصویر دی۔ شادی کے پندرہ سال بعد بلال اس کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ وہ نوجوان تھا اور اس کی عربوں ایسی کالی آنکھیں تھیں۔ حاتم طائی نے اس کی شکل اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لی اور پھر تصویر جیب میں رکھ لی۔

بوڑھی عورت نے کہا "یہ ڈاکو میری دولت لُوٹنے آیا تھا۔ شاید وہ مجھے ہلاک بھی کر دیتا، لیکن خُدا نے تمھیں بھیج کر مجھے بچا لیا۔ میرے پاس میرے مرحوم خاوند کی چھوڑی ہوئی کافی دولت ہے۔ میں تمھیں مالا مال کردوں گی۔ کسی طرح میرے بیٹے کو مجھ سے ملا دو۔"

حاتم بولا "مجھے دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں حاتم طائی ہوں۔ میں خُود لوگوں میں دولت لُٹاتا رہا ہوں۔ اس وقت میرے پاس ایک یاقُوت ہے جسے بیچ کر میں اپنے سفر کے اخراجات پُورے کر سکتا ہوں، اس لیے پیاری اماں، تم پیسوں کے بارے میں فکر نہ کرو۔"

بُوڑھی عورت نے کہا "خُدا تمھیں اس کا اجر دے گا، بیٹا۔ کیا تم آج رات یہاں آرام نہ کرو گے؟ میرے فلیٹ میں کئی کمرے ہیں۔ جس کمرے میں چاہو، سو سکتے ہو۔"

حاتم نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ آسمان پر بادل جمع ہونے لگے تھے اور ہلکی ہلکی بجلی بھی چمک رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر بادل گرجنے لگے اور بجلی کڑکنے لگی تو وہ پُرانے آسیبی قلعے میں جا کر آج رات ہی اپنے اس دوست سے ملاقات کر سکتا ہے، جس سے ملنے کے لیے قُلابہ نے اُسے تاکید کی تھی۔ حاتم نے بوڑھی عورت

سے کہا :

"اماں ، میں ذرا شہر کی سیر کر آؤں۔ اگر آسمان صاف رہا تو آجاؤں گا ، لیکن اگر بارش ہونے لگی تو نہیں آؤں گا۔ آپ سمجھ لینا کہ میں آپ کے بیٹے کی تلاش میں چلا گیا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے بوڑھی عورت کو سلام کیا ، اُس کی دعائیں لیں اور فلیٹ سے نیچے اُتر آیا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہتا تھا کہ سپاہی کی وردی کہیں جا کر تبدیل کرے اور پھر یاقوت کہیں فروخت کرے تاکہ اس کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ رقم ہو۔ وہ پیرس کی روشن سڑکوں پر چل نکلا۔ کافی گھومتے پھرنے کے بعد ایک جگہ عربی اور فرانسیسی زبانیں جوہری کا بورڈ لگا نظر آیا۔ وہ اس دکان میں داخل ہو گیا۔ موٹی توند والا گینڈے نُما ایک آدمی کاؤنٹر کے پیچھے ایک اُونچی سی کُرسی پر بیٹھا تھا۔ حاتم کو پولیس کی وردی میں دیکھ کر وہ چوکنّا ہوا۔ حاتم نے عربی میں اُس سے بات کی۔ یہ یہودی تھا اور عربی زبان کچھ کچھ سمجھتا تھا۔

حاتم نے جیب سے یاقوت نکال کر اس کے سامنے رکھا تو اُس کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں کیوں کہ یاقوت

بہت قیمتی تھا۔ پھر اُس نے مُسکرا کر پوچھا "یہ کہاں سے مارا ہے، داروغہ جی؟"

"بس مار لیا ہے۔ بولو، اس کا کیا دو گے؟"

حاتم جوہری کو یہ جتانا چاہتا تھا کہ یاقُوت اُس نے کہیں سے اُڑایا ہے تاکہ جوہری زیادہ بک بک جھک جھک میں نہ پڑے اور جو کچھ دینا ہے، دے ڈالے۔ اُس کا یہ نسخہ کامیاب رہا۔ جوہری نے دراز میں سے سو سو فرانک کے نوٹوں کی ایک گڈّی نکال کر حاتم کے آگے رکھ دی اور مُسکرا کر کہا:

"سنتری صاحب، میں آپ کو اس یاقُوت کے دس ہزار فرانک دے سکتا ہوں۔ منظور ہوں تو لے لیں، نہیں تو اپنا یاقُوت اٹھا لیں۔"

حاتم چاہتا تھا کہ جو مل جائے وہی غنیمت ہے۔ اُس نے نوٹوں کی گڈّی اٹھا کر جیب میں رکھی، یاقُوت جوہری کے حوالے کیا اور دکان سے باہر نکل آیا۔ اُسی وقت آسمان پر بجلی چمکی، بادل گرجے اور ہلکی ہلکی بُوندا باندی شروع ہو گئی۔

اچانک حاتم کو خیال آیا کہ سب سے پہلے اُسے پولیس کی وردی تبدیل کرنی چاہیے۔ وہ ایک پوشاک بیچنے والے

کی دکان پر گیا اور وہاں سے اُس نے گرم جیکٹ، گرم پتلون، اوور کوٹ اور اُونی ٹوپی خریدی۔ وہ دکان سے باہر نکلا اور ایک ٹیکسی روک کر ڈرائیور سے بولا "شہر سے باہر جھیل کنارے جو پُرانا قلعہ ہے، وہاں چلنا ہے۔"

ڈرائیور نے سہم کر حاتم کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ قلعے سے دُور ہی ٹیکسی کھڑی کرے گا۔ آگے نہیں جائے گا۔ حاتم نے کہا "دُور ہی اُتار دینا، بھائی۔ چلو تو سہی۔"

ٹیکسی پُرانے قلعے کی طرف روانہ ہو گئی۔ اب آسمان پر بجلی کڑک رہی تھی اور موسلا دھار بارش شروع ہو چکی تھی۔

ملکہ اناتی

ٹیکسی بارش میں بھاگی جا رہی تھی۔ پیرس شہر کی جگمگاتی عمارتیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ اب ایک سُنسان سڑک آ گئی تھی جس کے دونوں طرف درخت تھے۔ یہ سڑک آگے جا کر چھوٹی سڑک سے مل گئی۔ یہاں بڑا اندھیرا تھا۔ کہیں بجلی کا کوئی کھمبا نہ تھا۔ حاتم طائی نے محسوس کیا کہ ٹیکسی والا کچھ گھبرایا ہوا سا ہے، مگر وہ چپ چاپ گاڑی چلائے جا رہا تھا۔ بادل زور زور سے گرج رہے تھے۔ بجلی چمکتی تو چھوٹی سی ویران سڑک دُور تک ایک پل کے لیے روشن ہو جاتی۔ ٹیکسی ڈرائیور

سوچ رہا تھا کہ اس ویران علاقے میں آکر اُس نے سخت غلطی کی ہے۔ مگر اب وہ پھنس چکا تھا۔ گاڑی ایک گھنے جنگل میں سے گزر کر باہر نکلی تو سامنے ذرا فاصلے پر درختوں کے سیاہ جھنڈ دکھائی دیے اور جب بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں، ذرا فاصلے پر، ایک سیاہ قلعے کی عمارت نظر آئی۔

تھوڑی دُور جا کر ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی روک لی اور ڈرتے ڈرتے کہا "وہ رہا پُرانا قلعہ۔ اِس سے آگے میں نہیں جاؤں گا۔"

حاتم طائی مسکرایا۔ اُسے معلوم تھا کہ ڈرائیور بے چارہ خوف زدہ ہے۔ وہ اُسے پریشان کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو سو فرانک کے دو نوٹ اُسے دیے اور کہا "شکریہ، دوست۔ تم جا سکتے ہو۔"

ڈرائیور دو سو فرانک لے کر اس قدر خوش ہوا کہ اس کی آواز بھرّا گئی۔ اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں حاتم کا شکریہ ادا کیا اور پھر تیزی سے گاڑی موڑ کر وہاں سے رفو چکّر ہو گیا۔

حاتم موسلا دھار بارش اور آدھی رات کے اندھیرے میں اُس جنگل میں اکیلا رہ گیا تھا۔ جب بجلی چمکی تو قلعے

کو دیکھ کر وہ سہم سا گیا۔ یہ قلعہ بڑا ڈراؤنا لگتا تھا۔ یہاں میرا کون سا دوست ہے جو میرا انتظار کر رہا ہے؟ اُس نے سوچا۔اُس نے ایسا اوورکوٹ پہن رکھا تھا جس پر سے بارش کے قطرے پھسل جاتے ہیں۔ پھر بھی اُسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے قلعے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس کی بائیں جانب جھیل تھی جو رات کے اندھیرے میں سمندر کی طرح لگ رہی تھی۔اِس کے پانی پر بارش کے گرنے سے شور پیدا ہو رہا تھا۔

حاتم قلعے کی پُرانی اور بوسیدہ پتھریلی ڈیوڑھی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔اُس نے اوورکوٹ جھاڑ کر پھر سے پہنا،ٹوپی سے بارش کا پانی نچوڑا اور پھر قلعے کے بڑے پھاٹک کو غور سے دیکھا۔اندھیرے میں ایک چھوٹا دروازہ نظر آیا جو بند تھا اور جس کے پُرانے پیتل کے قبضوں میں زنگ لگ چکا تھا۔حاتم نے خدا کا نام لے کر دروازے کے بھاری پٹ کو اندر کی طرف دھکیلا تو وہ بڑی کرخت آواز میں چرچرا کر کھل گیا۔

اندر سے ٹھنڈی یخ ہوا آئی۔ حاتم نے اوورکوٹ کا کالر اُوپر کیا اور قلعے میں داخل ہو گیا۔ یہ قلعے کی اُونچی چھت والی ڈیوڑھی تھی،جس کے دونوں جانب حجرے بنے

ہوئے تھے۔ اِن حجروں کے دروازے نہیں تھے اور وہ تاریک گڑھے سے لگ رہے تھے۔ حاتم آگے بڑھا۔ ڈیوڑھی کافی لمبی تھی۔ پتھریلا راستہ اندھیرے میں ایک طرف گھوم گیا۔ یہاں بارش کی تیز آواز سُنائی دی۔ آگے کھُلا صحن تھا، جس کے درمیان میں ایک کنول کے پھُول ایسا فوّارہ بنا ہوا تھا۔ بجلی کی چمک میں اس فوّارے کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ حاتم نیم دائرے کے برآمدے میں سے گزر کر ایک محرابی دراوازے پر آ کر رُک گیا۔

یہاں زینہ نیچے کو جاتا تھا۔ حاتم کے کانوں میں جیسے کسی کی آواز آئی، "حاتم زینے سے نیچے اُتر جاؤ۔" وہ زینہ اُترنے لگا۔ اس کے بوٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔ سیڑھیاں اُترنے کے بعد ایک کھُلا ہال کمرا آ گیا جس کی چھت کے ساتھ چمگادڑیں اُلٹی لٹکی ہوئی تھیں۔ یہاں کسی طرف سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ خُدا جانے یہ روشنی کدھر سے آ رہی تھی! ایسا لگتا جیسے اندھیری رات میں پھیکا پھیکا چاند نکل رہا ہو۔

ہال کمرے میں صرف ایک ہی دروازہ تھا جو بند تھا اور جس پر پُرانی طرز کا بھاری تالا پڑا تھا۔ حاتم کے دل نے کہا "اسے کھولو۔" اُس نے تالے کو چھُوا تو وہ کسی جادو

کے اثر سے کٹک کی آواز کے ساتھ آپ ہی کھل گیا۔ حاتم کو یوں لگا جیسے وہ کھلنے کے لیے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے دروازے کو پیچھے دھکیلا تو ایک گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے۔ حاتم اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک چوکور نیچی چھت والا نم دار کمرا تھا۔

دروازے کے کھلتے ہی ایک مکروہ صورت چمگادڑ پھڑپھڑاتی ہوئی آئی اور حاتم کے سر کے اُوپر سے گزر گئی۔ وہ حیران تھا کہ ایک ایسے کمرے میں، جو نہ جانے کب سے بند تھا، یہ چمگادڑ کس طرح زندہ رہی!

کمرے کے درمیان میں ایک گول کنواں تھا۔ اس کنویں میں سے آہستہ آہستہ ایسی آواز اُبھرنے لگی جیسے بہت ساری شہد کی مکھیاں کسی چھتّے پر بھنبھنا رہی ہوں۔ حاتم نے سوچا کہ اس کنویں میں ضرور شہد کی مکھیوں نے چھتّا بنا رکھا ہے۔ مگر اب اس میں سے ہلکی ہلکی نیلے رنگ کی روشنی باہر نکلنا شروع ہو گئی تھی۔ حاتم ٹھٹھک کر وہیں کھڑا ہو گیا اور روشنی کو دیکھنے لگا جو اُوپر کو اُٹھ رہی تھی۔ شہد کی مکھیوں کی آواز بھی آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی۔ اتنے میں اُس نے کیا دیکھا کہ کنویں میں سے ایک

لاش اُوپر کو اُٹھنا شروع ہوئی۔ لاش کا سارا جسم سفید پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا، اور آنکھوں کے سُوراخوں میں سے نیلی شعائیں نکل رہی تھیں۔

حاتم لاش کو دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو گیا۔ لاش کنوئیں سے تھوڑی اُوپر آ کر فضا میں کھڑی ہو گئی۔ اُس کی سوراخ دار آنکھوں کی شعاؤں کا رُخ حاتم کی طرف تھا۔ حاتم بُت بنا اس کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک تیز سُرخ شعُاع لاش کے ماتھے سے نکل کر حاتم کے ماتھے پر آ کر پڑی۔ حاتم کو یُوں لگا جیسے لاش سُرخ شعُاع کی زبان میں اُس سے کچھ کہہ رہی ہے۔ پھر اچانک حاتم کے کانوں میں لاش کی آواز آئی:

"حاتم طائی! میں تمھاری دوست ہوں۔ تم آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے زمانے سے آئے ہو۔ مگر میں تمھارے زمانے سے بھی پہلے کی ہوں۔ میں تمھاری دوست اس لیے ہوں کہ مجھ پر تمھارے بزرگوں میں سے ایک شخص نے احسان کیا تھا۔ میں مُلک شام کے بادشاہ کی ملکہ اناتمی ہوں۔ ایک جنگ میں بادشاہ کے ساتھ تھی کہ دشمن نے شاہی خیمے پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ کے ساتھ میں بھی قتل کر دی گئی۔

"بادشاہ کی لاش تو جلا دی گئی مگر میری لاش کو دشمنوں نے اس ویران کنویں کے باہر درخت سے اُلٹا لٹکا دیا۔ یہ میری توہین تھی۔ میری رُوح نے چڑیل بن کر میرے قاتلوں سے بدلہ لیا اور سب قاتلوں کو مار ڈالا۔ مگر میں اپنی لاش کو درخت سے نہیں اُتار سکتی تھی۔

"اتفاق سے ایک دن تمھارے بزرگوں میں ایک بزرگ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اُس نے میری لاش کو درخت پر سے اُتار کر بڑی عزّت کے ساتھ اس کنویں میں دفن کر دیا، کیوں کہ اُسے ڈر تھا کہ میرے دشمن میری قبر کھود کر لاش نکال کر لے جائیں گے۔ بس تب سے میں تمھارے خاندان والوں کی دوست بن گئی ہوں۔

اُس زمانے میں یہاں کوئی شہر نہ تھا۔ بس یہی ایک پُرانا کنواں تھا جس کے اُوپر بعد میں ایک فرانسیسی بادشاہ نے یہ قلعہ بنا لیا۔ قُلابہ نے ایک روز مجھے آ کر خبر دی کہ حاتم طائی نام کا ایک نوجوان پیرس کے اِس قلعے میں آ رہا ہے۔ میرے تہہ خانے کے باہر تمھارے اُس بُزرگ نے جو تالا ڈالا تھا اُسے صرف تم ہی کھول سکتے تھے۔ اب میں تمھاری دوست ہوں۔ تمھاری ہر مُصیبت میں تمھارے کام آؤں گی اور جو مدد کر سکی، ضرور کروں گی۔"

حاتم طائی ملکہ انانمی کی لاش سے مل کر بڑا خوش ہوا۔ اب اس کا سارا ڈر اور خوف دور ہو گیا تھا۔ اُس نے ملکہ کی لاش کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ لاش نے ہاتھ ملایا۔ اس کا ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ حاتم کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس نے پوچھا "اے ملکہ، آپ میری کیا مدد کر سکتی ہیں؟"

لاش نے کہا "یہ تمھیں وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا۔ میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتی، اور تم سمجھ بھی نہ سکو گے۔ ہاں میں اتنا ضرور اشارہ کرتی ہوں کہ میں تمھیں جس شکل میں چاہوں آ کر مل سکتی ہوں اور تمھاری مدد کر سکتی ہوں۔ اچھا، اب تم جاؤ۔ میں زیادہ دیر اس کنویں سے باہر نہیں رہ سکتی۔"

حاتم نے پوچھا "کیا میں ہی آپ کو بلایا کروں گا؟"

لاش کنویں کے اندر اُترنے لگی تھی۔ اب اس کا سفید پٹیوں میں لپٹا ہوا سر ہی کنویں سے باہر رہ گیا تھا۔ اس نے کہا "نہیں مجھے بلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تمھارے بزرگوں کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ میں خود ہی تمھاری مدد کو آ جایا کروں گی۔"

"آخر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ آپ آئی ہیں؟" حاتم نے پوچھا۔

لاش بولی "تمھیں پتا چل جایا کرے گا" "خدا حافظ"
اور وہ کنویں کے اندر اتر گئی۔ اس کے ساتھ ہی نیلی روشنی بھی کنویں کے اندر سمٹ کر غائب ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز آتی رہی، پھر یہ آواز بھی دور ہوتی گئی۔ حاتم لاش کی کوٹھڑی سے باہر نکلا اور زینے کے ذریعے برآمدے میں سے ہو کر ڈیوڑھی میں آ گیا۔ قلعے کے باہر بادل گرج رہے تھے اور زوردار بارش ہو رہی تھی۔

رات کافی گزر چکی تھی۔ بارش کی وجہ سے حاتم کو قلعے کی ڈیوڑھی میں ہی رکنا پڑا۔

قلعے کے سامنے جھیل کا پانی اندھیرے میں سیاہ دکھائی دے رہا تھا جس پر بارش کی تیز بوچھاڑیں گر رہی تھی۔

حاتم شامی عورت کے اکلوتے بیٹے بلال کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اسرائیل کے شہر تل ابیب کی کسی جیل میں حریت پسندوں کے ساتھ قید تھا۔ یہ بلال کی ماں کا عرب خون تھا جو اس کو فلسطینی آزادی پسندوں کی مدد کے لیے اسرائیل کے اندر تک لے گیا تھا۔ حاتم نے فیصلہ کیا کہ وہ پیرس میں فلسطینی گوریلوں کے خفیہ اڈے کو تلاش کر کے بلال کے بارے میں پوری معلومات حاصل

کرے گا اور پھر اُردن یا لبنان جا کر اسرائیل کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ بلال کو دشمن کی قید سے چھڑا کر اُسے اس کی ماں کے پاس واپس لا سکے۔

اچانک بجلی اتنی زور سے چمکی کہ ساری جھیل اور جھیل کے پانی پہ گرتی ہوئی بوندیں روشن ہو گئیں۔ اس کے بعد ایک دھماکے کے ساتھ بادل گرجا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی جوالا مکھی پھٹ پڑا ہو۔ حاتم قلعے کی ڈیوڑھی کے اندر ہو گیا اور ایک حجرے کے آگے پتھر کی سل پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اگر طوفان کا یہی حال رہا تو اُسے باقی ساری رات اسی جگہ کاٹنی پڑے گی۔

اتنے میں اُس نے ایک آواز سُنی۔ یہ آواز پتھریلے فرش پر کسی پتھر کے گرنے کی تھی اور اُس راستے کی طرف سے آئی تھی جو اندھیرے میں قلعے کے بڑے ہال کی طرف گھوم جاتا تھا۔ حاتم اُٹھ کر حجرے کے اندر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں کوئی سمگلر یا ڈاکو وغیرہ تو وہاں نہیں آ گیا! طوفان کا شور تھم گیا۔ آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا، مگر اب بجلی کہیں دُور دھیمے دھیمے چمک رہی تھی اور بادلوں کی گرج بھی بہت دُور سے سُنائی دے رہی تھی۔

ایک طرح سے وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔ اس خاموشی میں صرف بوندا باندی کی ہلکی ہلکی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔ دوبارہ کوئی آواز نہیں آئی۔ حاتم نے سوچا کہ بارش تھم گئی ہے۔ اسے اس آسیبی قلعے سے نکل جانا چاہیے۔

وہ حجرے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اس نے قلعے کے برآمدے کو جاتے ہوئے اندھیرے راستے پر ایک بہت بڑا سایہ دیکھا جو قلعے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اندھیرے میں یہ سایہ کسی بن مانس کی طرح لمبے لمبے ہاتھ لٹکائے جھک کر اوپر چڑھ رہا تھا۔

پھر وہ اندھیرے میں اوپر جا کر غائب ہو گیا۔ ابھی حاتم اس ڈراؤنے سائے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ چیخ بڑی تیز ڈراؤنی اور دل ہلا دینے والی تھی۔ پھر یہ چیخ ایک دم سے بند ہو گئی۔ جیسے کسی نے عورت کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا ہو۔ حاتم ڈیوڑھی سے نکل کر اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ سیڑھیاں ٹوٹے ہوئے پتھروں کی تھیں۔ حاتم اوپر آ گیا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کا ایک کھلا پٹ ٹھنڈی ہوا میں آہستہ آہستہ ہل رہا تھا اور اس میں سے چرچراہٹ کی آواز آ رہی تھی۔

ایسا لگتا تھا کہ ابھی ابھی کوئی کمرے کے اندر گیا ہے۔ ضرور یہ چیخ اسی دروازے کے اندر سے آئی تھی اور وہ پُر اسرار سایہ بھی اسی کمرے میں گیا تھا۔ حاتم دبے پاؤں چلتا دروازے کے پاس آ کر رُک گیا۔ اس نے کان لگا کر سُننے کی کوشش کی۔ اندر سے کسی عورت کے آہستہ آہستہ رونے کی آواز آ رہی تھی۔

حاتم دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں اُسے سایہ دکھائی دیا جو ایک جگہ جُھکا ہوا تھا۔ اچانک اس کی نظر حاتم پر پڑ گئی اور وہ ایک دم تن کر کھڑا ہو گیا۔ حاتم نے دیکھا کہ اس کے سامنے چوڑے چوڑے نتھنوں والا اور مکروہ شکل والا ایک بے حد ڈراؤنا اور گرانڈیل پہلوان کھڑا ہے۔

یکایک پہلوان کے مُنہ سے ایک غضب ناک چیخ بلند ہوئی یہ حملہ کرنے کی چیخ تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ حاتم کی طرف اچھل کر بڑھا۔ اس کے لمبے لمبے ہاتھ جھول رہے تھے۔ بھاری ریچھ ایسا سر آگے کو جُھکا ہوا تھا۔ وہ کوئی ہاتھی لگ رہا تھا، جو اپنے پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو۔ حاتم بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔

وہ شخص اُچھل کر حاتم کے سر پر آ گیا اور حاتم کو دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

ایک بار تو حاتم کا سر گھوم گیا۔ اس کی جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ دیوار سے ٹکر کھا کر حاتم دھڑام سے اس جگہ گرا جہاں عورت پڑی تھی۔ عورت گوری چٹی مہم تھی اور ہوش میں تھی۔ اس نے اپنے قریب ایک آدمی کو دیوار سے ٹکرا کر گرتے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔

پہلوان کے حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ سخت غصّے اور جوش میں تھا۔ اس نے حاتم کو زمین سے اُٹھنے کا موقع ہی نہ دیا اور لپک کر ایک بار پھر اُسے اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ حاتم دیوار سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ لیکن اُسے کوئی چوٹ نہ آئی۔

اِس بار پہلوان حاتم کی طرف لپکا تو اُس نے زمین پر گرے ہی گرے اُس کی ٹانگ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ پہلوان پہاڑ کی طرح دھپ سے فرش پر گر پڑا۔ حاتم اُٹھ کر اُس کو دبوچنے ہی والا تھا کہ اُس نے بڑی پھرتی دکھائی۔ وہ قلابازی لگا کر سیدھا ہو گیا اور بجلی کی طرح لپک کر حاتم کے گلے کو دبانا شروع کر دیا۔ عورت نے یہ منظر دیکھا تو اُس کے حلق سے دہشت بھری آوازیں نکلنے لگیں، کیونکہ اُسے حاتم طائی کی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔

لیکن اس راز کا نہ اُس شخص کو علم تھا اور نہ اُس عورت کو کہ حاتم مر نہیں سکتا۔ حاتم کی گردن پہلوان کے زبردست پنجوں کی گرفت میں تھی اور وہ اُسے پُوری طاقت سے دبا رہا تھا، مگر حاتم پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ پہلوان نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ کوئی گڑ بڑ ضرور ہے کیونکہ حاتم کی گردن اُسے اپنے پنجوں میں پتّھر کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری طرف حاتم بھی غافل نہ تھا۔ اُس نے پہلوان کے پیٹ میں پُوری طاقت سے ایک گھُونسا مارا۔ یہ گھُونسا کئی من وزنی پتّھر کی طرح پہلوان کے لگا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گر پڑا۔ حاتم کی گردن اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ گئی۔

اب حاتم کے حملہ کرنے کی باری تھی۔ اُس نے عرب بہادروں کی طرح ایک نعرہ لگا کر پہلوان کو دونوں ہاتھوں سے اُوپر اُٹھا لیا۔ پہلوان ہاتھی سے کم نہ تھا۔ اتنے بڑے پہاڑ کو حاتم نے اپنے کندھوں کے اُوپر اُٹھایا تو وہ عورت دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اتنا طاقت ور انسان کبھی نہیں دیکھا تھا۔

شاید پہلوان بھی حیران ہو رہا تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی

جن، جس نے اتنی آسانی سے اُسے اُوپر اُٹھا لیا ہے! دیکھتے ہی دیکھتے حاتم نے اُس کو پُوری طاقت سے زمین پر پٹخ دیا۔ پہلوان پتّھروں پر گرا تو اس کے کُولھے کی ہڈّی نکل گئی۔ اس کے باوجود وہ غرّاتا اور خونی آنکھوں سے شُعلے برساتا ہوا حاتم کی طرف لپکا۔ حاتم اب اُسے ذرا سی بھی مُہلت دینے کو تیّار نہ تھا۔ اُس نے پہلوان کے اُٹھنے سے پہلے ہی اُسے اُوپر اُٹھا لیا اور اس بار سامنے کی دیوار پر دے مارا۔ بڑے زور کا دھماکا ہوا جیسے چھت گر پڑی ہو۔ پہلوان کے حلق سے بھیانک آواز نکلی اور وہ فرش پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

اب حاتم نے اس عورت کی طرف دیکھا جو خوف سے کانپ رہی تھی۔ اُس نے ٹُوٹی پھُوٹی فرانسیسی میں، جس کے چند لفظ اُسے آ گئے تھے، عورت سے پُوچھا کہ وہ کون ہے۔ عورت پر دہشت طاری تھی۔ اس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا:

"میرا نام الوتی ہے۔ میرا باپ جنگل کے محکمے کا افسر ہے۔ میں اپنے گھر میں سو رہی تھی کہ یہ شخص مجھے اُٹھا کر یہاں لے آیا۔ اگر تم نہ آتے تو یہ ضرور مجھے مار ڈالتا۔ یہ جنگل سے چوری چھُپے لکڑیاں کاٹتا ہے۔ میرے والد نے ایک دفعہ اسے پکڑوا دیا تھا۔ یہ شاید اسی کا بدلہ لینا

چاہتا تھا۔"

پھر اس عورت نے حاتم سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس کے اندر اتنی زبردست طاقت کہاں سے آ گئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ اُس نے اتنے شہ زور پہلوان کو چت کر دیا بلکہ خود ذرا سا بھی زخمی نہیں ہوا۔ حاتم نے کہا "ان باتوں کو چھوڑو۔ چلو، میں تمھیں گھر چھوڑ آؤں۔"

حاتم نے اس عورت کو ساتھ لیا اور قلعے سے باہر آ گیا۔ طوفان تھم چکا تھا۔ آسمان صاف تھا۔ کہیں کہیں تارے چمک رہے تھے سردی کی وجہ سے جھیل کی سطح پر دُھند چھائی ہوئی تھی۔ عورت حاتم سے بہت کچھ پوچھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ایک تو عورت کی زبان کے کئی لفظ حاتم کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے، دوسرے وہ اُسے اپنے بارے میں کچھ بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

جنگل سے نکل کر وہ سڑک پر آ کھڑے ہوئے اور کسی ٹیکسی یا آتی جاتی گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔

خطرناک مُہم

اچانک، سڑک پر، کسی گاڑی کی روشنیاں نظر آئیں۔ حاتم نے ہاتھ ہلا کر گاڑی رُکوائی۔ اتّفاق سے یہ ایک ٹیکسی تھی۔ عورت نے ڈرائیور سے بات کر کے اپنے گھر کا پتا بتایا اور وہ دونوں گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی پچھلی رات کے گُم ہوتے اندھیرے اور دُھند میں آگے روانہ ہو گئی۔

ایک بات حاتم کو رہ رہ کر پریشان کر رہی تھی۔ پہلوان کے ساتھ اتنی شدید جنگ میں اناتمی کی لاش اپنے وعدے کے مطابق اس کی مدد کو نہیں آئی تھی۔ اس کی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ حاتم سارے راستے یہی سوچتا رہا۔

عورت کا گھر نیشنل پارک میں تھا۔ اس کے باپ کو اپنی بیٹی کے گُم ہونے کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ اسے ٹیکسی میں دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ جب اُس نے اپنے ماں باپ کو پہلوان اور حاتم کی لڑائی کا بتایا تو وہ دنگ رہ گئے۔

اُنھوں نے حاتم کی بڑی آؤ بھگت کی۔ حاتم بھی اس لیے وہاں بیٹھ گیا کہ وہ رات کا باقی حصّہ وہیں گزارنا چاہتا تھا۔

اس نے گرم پانی سے غسل کیا۔ گیلے کپڑوں پر اچھی طرح سے استری کی۔ پھر کھانا کھایا اور اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا۔ جب اُٹھا تو پیرس شہر کے آسمان پر سُورج نکل آیا تھا۔ رات کی بارش کے بعد درخت سُنہری دھوپ میں چمک رہے تھے۔ عورت کے ماں باپ نے حاتم کو کچھ دن اپنے گھر میں رہنے کی دعوت دی۔ حاتم فلسطینی چھاپا ماروں کے خُفیہ ٹھکانے کا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں سے وہ اس لیے پُوچھتے ہوئے جھجک رہا تھا کہ کیا خبر وہ عربوں کے خلاف ہوں۔ اس نے ٹُوٹی پھُوٹی فرانسیسی میں اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا اور آخر پُوچھ ہی لیا کہ پیرس میں کسی فلسطینی چھاپا مار سے ملنا ہو تو اُس سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔

پہلے تو عورت کے باپ نے بڑے غور سے حاتم کو دیکھا۔ پھر مُسکرا کر کہا "کیا تم بھی عرب چھاپا مار ہو؟"

حاتم نے جواب دیا "میں عرب ہوں، مگر چھاپامار نہیں ہوں۔ میرا ایک بھائی چھاپا ماروں کے ساتھ گُم ہو گیا ہے۔ میں اس کا پتا لگانا چاہتا ہوں۔ اس لیے پوچھ رہا تھا۔"

وہ شخص کچھ سوچ کر بولا "مسٹر حاتم، میں ایک سرکاری افسر ہوں۔ اس قسم کی باتیں تمھیں نہیں بتا سکتا لیکن چونکہ تم نے میری بیٹی کی جان بچائی ہے، اس لیے۔ میں تمھاری تھوڑی بہت مدد ضرور کروں گا۔ میں عرب چھاپا مار دل کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ پیرس شہر کے ایک پرانے محلّے ماترے دو میں ایک شامی عرب کا چائے خانہ ہے۔ اس چائے خانے سے تمھیں چھاپا مار دل کے بارے میں معلومات مل سکتی ہیں۔ اس سے زیادہ میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"میرے لیے اتنی معلومات ہی بہت ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

حاتم نے ان سے اجازت لی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر پیرس کے گنجان علاقے ماترے دو کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹیکسی شہر کے ایک بہت گنجان علاقے میں داخل ہو گئی۔ یہاں دکانوں اور شاپنگ سینٹروں میں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ ایک جگہ ٹیکسی آگے نہیں جا سکتی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی روک لی اور حاتم نیچے اتر کر پیدل ہی چل پڑا اور پوچھتا پوچھتا تنگ گلیوں میں آ گیا۔ یہاں پرانے برتنوں، قالینوں اور کتابوں کی دکانیں تھیں۔ لوگ زیادہ نہیں تھے۔ کسی دکان میں بس ایک آدھ

گاہک ہی موجود تھا۔

حاتم نے ایک دکان پر ایک سانولے سے نوجوان کو بیٹھے دیکھا جو کیلکولیٹر پر حساب کتاب کر رہا تھا۔ شکل صورت سے وہ عرب لگتا تھا۔ جب وہ حساب کر کے گاہک کو باقی پیسے ادا کر چکا اور گاہک چلا گیا تو حاتم اس کے قریب گیا اور عربی زبان میں پوچھا کہ ماتزے دو کے علاقے میں شامی عرب چائے خانہ کس جگہ پر ہے؟ عرب نوجوان نے حاتم کو گھور کر دیکھا۔ وہاں کئی عرب جاسوس بھی گھومتے پھرتے تھے جو فلسطینی چھاپا ماروں کو اغوا کروانے میں اسرائیلی ایجنٹوں کی مدد کرتے تھے۔ اگرچہ ایسے غدّار بہت کم تھے، پھر بھی چھاپا مار عرب بڑے ہوشیار رہتے تھے اور کسی کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تھے۔

حاتم سمجھ گیا کہ اس پر شک کیا جا رہا ہے۔ اُس نے نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "میرا نام حاتم طائی ہے اور میں آج سے پندرہ سو سال پہلے کے عرب سے آیا ہوں۔" یہ سن کر اُس عرب نوجوان کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ کوئی پاگل نوجوان ہے اور پاگل خانے سے بھاگ نکلا ہے وہ ہنسا تو حاتم نے کہا "کیا تمھیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ بھلا حاتم طائی کی بات کا کون یقین نہیں کرے گا۔" یہ عرب نوجوان ایک طرح سے حاتم کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ حاتم نے بھی محسوس کر لیا تھا، مگر وہ شامی عرب کے چائے خانے کا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ آخر بڑی بک بک جھک جھک کے بعد عرب نوجوان نے کہا:

"شامی عرب کا چائے خانہ سامنے والی گلی کے نُکڑ پر ہے۔ مگر خبردار! وہاں تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو تمہارا زندہ بچ کر نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔"

حاتم گلی کے نکڑ پر آ گیا۔ یہاں ایک پرانا بوسیدہ سے دروازے والا چائے کا ہوٹل تھا جہاں کڑوا قہوہ اور بغیر دُودھ کی چائے ملتی تھی۔ ایک گھنی مُونچھوں والا بھاری بھر کم ادھیڑ عُمر کا آدمی کاؤنٹر پر بیٹھا آنکھیں سُکیڑے اخبار پڑھ رہا تھا۔ گاہک چائے پیتے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے۔

حاتم سمجھ گیا کہ یہی شامی عرب چائے خانے کا مالک ہے۔ اس نے کاؤنٹر پر جا کر اُسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب تو دے دیا مگر اخبار سے نظریں نہ ہٹائیں۔ حاتم اسی جگہ کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد شامی نے سر اُٹھا کر

پُوچھا :

"میرے سر پر کیوں کھڑے ہو ؟ اندر بیٹھ کر جو کھانا پینا ہے، کھاؤ پیو اور چلتے بنو۔"

حاتم نے مسکرا کر عربی میں کہا "میرا نام حاتم طائی ہے۔"

"کیا ؟" عرب نے چونک کر پوچھا۔

"حاتم طائی۔ ہاں، یہی میرا نام ہے اور یقین کرو کہ میں پندرہ سو برس پہلے کے زمانے سے اچانک آج کے زمانے میں آگیا ہوں۔ میری بات غور سے سُنو۔ ایک شامی نسل کی عورت کی شادی ایک فرانسیسی سے ہو گئی تھی۔ اس کا ایک ہی لڑکا ہے جس کا نام بلال ہے۔ بلال کو فلسطینی چھاپا مار تحریک سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ ایک مُہم پر چھاپا ماروں کے دستے کے ساتھ اسرائیل کے علاقے میں گیا اور آج تک واپس نہیں آ سکا۔ سُنا ہے اسرائیل کے ایک شہر تل ابیب کی جیل میں پڑا سڑ رہا ہے۔ میں اسی کی تلاش میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ کیا تم مجھے اُس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو ؟"

حاتم نے ایک ہی سانس میں اتنی ڈھیر ساری باتیں کہہ ڈالیں شامی مُنہ کھولے اس کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ پہلے تو اُسے شک ہوا کہ یہ کوئی پاگل ہے جو اپنے آپ کو

کو حاتم طائی بتا رہا ہے۔ مگر جب اُس نے بلال کا نام سُنا تو اس کا ماتھا ٹھنکا کیوں کہ بلال نامی نوجوان کو یہ شامی خُوب جانتا تھا۔ اس کی ماں شام کی رہنے والی تھی اور اُس نے فلسطین کے لیے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ اُس نے حاتم طائی سے کہا:

"سامنے جو دروازہ ہے، اُس کے اندر داخل ہو کر میرا انتظار کرو۔"

حاتم طائی کاؤنٹر سے ہٹ کر ہوٹل کے اندر چلا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا جہاں گول گول میزوں کے گرد فرانسیسی اور دوسری قوموں کے لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ حاتم نے سامنے دیکھا۔ ایک دروازے پر پردہ گرا ہوا تھا وہ پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔

دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس میں ایک پلنگ اور میز کُرسی پڑی تھی۔ دیواروں پر بڑے بڑے پوسٹر اور رنگین تصویریں لگی تھیں۔

حاتم کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شامی عرب اندر آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی اور حاتم کے قریب پلنگ پر بیٹھ کر بولا:

"سچ سچ بتاؤ، تم کون ہو؟"

حاتم نے دیکھا کہ شامی کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی، جیسے اُسے حاتم کی باتوں سے جاسوسی کی بُو آ رہی ہو۔ حاتم نے کہا:

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں حاتم طائی ہوں، اور میرا کام دُکھی انسانوں کی مدد کرنا ہے۔ بلال کی بیوہ ماں کی حالت دیکھ کر میں بلال کی تلاش میں نکلا ہوں تاکہ بیٹے کو اس کی ماں سے ملا کر اپنا انسانی فرض پورا کروں۔"

شامی عرب نے آہستہ سے کہا "میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ حاتم اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ہوٹل سے باہر آکر شامی عرب نے ایک گلی میں چلنا شروع کر دیا۔ یہ گلی آگے جا کر ایک دوسری گلی میں مل گئی۔ یہاں پرانی طرز کے فرانسیسی چھجّوں والے مکان تھے جہاں غریب لوگ رہتے تھے۔ موٹی موٹی سفید عورتیں دروازوں میں کرسیاں ڈالے بیٹھی آپس میں اُونچی اُونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔

شامی چلا جا رہا تھا اور حاتم، کچھ فاصلہ رکھ کر، اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ شامی عرب کچھ آگے جا کر دائیں جانب ایک پرانی حویلی کے چھوٹے سے دروازے میں داخل ہو گیا۔ حاتم بھی اس کے پیچھے حویلی میں چلا گیا۔

یہاں ایک ڈیوڑھی سی تھی جہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ شامی عرب نے رک کر کہا "چلے آؤ!"

وہ حاتم کو ایک ایسے پُر اسرار سے کمرے میں لے گیا جہاں تین عرب نوجوان مشین گنیں لیے بیٹھے تھے۔ دیوار پر ایک جگہ فلسطینی رہ نما یاسر عرفات کی تصویر لگی تھی اور پاس ہی چمڑے کی پیٹی میں ایک پستول لٹک رہا تھا۔ عرب نوجوانوں کی ڈاڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں عقابوں ایسی چمک تھی۔ اُنھوں نے سروں پر عرب چھاپا مارول کے رُومال لپیٹے ہوئے تھے۔ شامی کے ساتھ ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر وہ چوکس ہو کر بیٹھ گئے۔ اُن کے ہاتھ مشین گنوں پر مضبوطی سے جم گئے تھے۔ شامی عرب نے حاتم کو ایک سٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

حاتم ابھی بیٹھنے ہی لگا تھا کہ شامی نے بڑے زور سے ایک مُکّا اُس کی گردن پر دے مارا۔ وہ ذرا سا لڑکھڑایا پھر تڑپ کر پیچھے مڑا۔ تینوں عرب نوجوانوں نے مشین گنیں تان لیں۔ حاتم کو غصّہ تو بے حد آیا۔ وہ شامی کا کچومر نکال دینا چاہتا تھا، مگر کچھ سوچ کر خاموش رہا اور سٹول پر بیٹھ کر بولا:

"کیا تم اپنے مہمانوں سے ایسا ہی سلوک کرتے ہو؟"

شامی نے تیز لہجے میں کہا "اگر مہمان جاسوس ہو تو ہم اُسے زندہ نہیں چھوڑا کرتے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ سچ سچ بتا دو کہ تم کون ہو اور تمھیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟"

حاتم یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ ان لوگوں نے اس پر جاسوس ہونے کا شک کیا ہے۔ اس نے بار بار کہا کہ وہ حاتم طائی ہے اور بلال کی تلاش میں آیا ہے کیوں کہ اس کی بیوہ ماں کی حالت اُس سے نہیں دیکھی جاتی۔

تنگ آ کر ایک عرب اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے حاتم کے سر پر مشین گن کا دستہ دے مارا۔ حاتم بے خیال تھا، وہ سٹول پر سے نیچے گر پڑا۔ اب اُس سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ اُٹھ کر عرب نوجوان کو گردن سے پکڑنے ہی والا تھا کہ دوسرے چھاپا مار نے جیب سے ایک شیشی نکال کر اُس کے منھ پر اُلٹ دی۔ ایک کڑوی سی پھوار حاتم طائی کے منھ پر پڑی اور اُسے اپنا سانس رُکتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر اُسے چکّر آ گیا اور وہ سٹول کے پاس ہی گر کر بے ہوش ہو گیا۔

جب اُسے ہوش آیا تو وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں رسّیوں میں جکڑا لوہے کے ایک پلنگ پر پڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور پیر پلنگ سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ سوچنے لگا

کہ یہ تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ان لوگوں نے اس کو ایک نئی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ مصیبتوں سے گھبرایا نہیں کرتا تھا اس لیے چپ چاپ پلنگ پر لیٹا سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

کوٹھڑی کی چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کی روشنی بہت مدھم تھی۔ کونے میں ایک لکڑی کے کھوکھے پر شاید پانی سے بھری ہوئی تانبے کی صراحی رکھی تھی۔ حاتم کو باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہی عرب چھاپا مار شامی کے ساتھ کوٹھڑی کے دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا "اسے ضرور اسرائیلیوں نے بھیجا ہے"

"تو پھر دیکھتے کیا ہو۔ کام تمام کر دو اس کا"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس نے ہمارا ٹھکانا دیکھ لیا ہے۔ یہ ہمارے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا ہے"

شامی کی آواز آئی "مجھے تو پہلے ہی اس پر شک تھا کہ یہ یہودیوں کا جاسوس ہے۔ اسی لیے میں اسے اپنے ساتھ یہاں لے آیا کہ اسے گولی مار کر ختم کر دیں گے"

"تو پھر اب انتظار کس کا ہے؟ چلو، اس یہودی جاسوس کو ختم کر دیتے ہیں"

"آؤ"

حاتم رسّیوں میں جکڑا، پلنگ پر پڑا، یہ ساری باتیں سُن رہا تھا۔ وہ اطمینان سے لیٹا رہا۔ دروازہ کھلا اور وہی تینوں عرب چھاپا مار نوجوان ہاتھوں میں پستول لیے شامی کے ساتھ اندر آئے۔ شامی نے حاتم کے قریب آ کر کہا:

"تمہارا آخری وقت آ گیا ہے۔ اگر کوئی خواہش ہو تو بتا دو۔"

حاتم نے مسکرا کر کہا "میرا آخری وقت ابھی نہیں آیا اس لیے خواہش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

شامی نے ایک عرب چھاپا مار کی طرف اشارہ کیا اور خود پلنگ پر سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ جس عرب چھاپا مار کو اشارہ کیا گیا تھا، اُس نے اپنی شکاریوں جیسی بُش شرٹ کی جیب میں سے سائی لینسر نکال کر پستول کے آگے لگا دیا۔ اس کے لگانے سے پستول چلنے کا دھماکا نہیں ہوتا بلکہ ہلکی سی آواز نکلتی ہے۔ حاتم اُس عرب چھاپا مار کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا:

"تم بے کار اپنی گولی ضائع کر رہے ہو۔ یہ گولی کسی دشمن کے لیے بچا کر رکھو، کیوں کہ ابھی تم لوگوں پر ایک راز ایسا کھلے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔"

شامی عرب نے گرج کر کہا "عمر! کیا سوچ رہے ہو؟ اس

جاسوس کو ٹھکانے کیوں نہیں لگاتے ؟"

عمر نامی عرب چھاپا مار نے پستول والا ہاتھ پلنگ پر لیٹے ہوئے حاتم کی طرف بڑھا کر اس کے سر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ "چٹ!" کی آواز آئی ۔ پستول میں سے سیسے کی گولی بجلی کی طرح نکل کر حاتم کی کھوپڑی سے ٹکرائی اور پھر ٹن کی آواز کے ساتھ دیوار سے لگ کر فرش پر گر پڑی۔

عمر، شامی اور دوسرے عرب چھاپا مار ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے کہ یہ کیا ہوا! ایسا انھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر ایسا اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

شامی عرب نے چلّا کر کہا "نشانہ چُوک گیا ہے۔ دوبارہ گولی چلاؤ۔"

عمر نے پستول کا رُخ اس بار حاتم کی چھاتی کی طرف کر کے فائر کر دیا۔ اس بار بھی ٹن کی آواز کے ساتھ گولی حاتم کے سینے سے ٹکرا کر اُچھلی اور دوسری طرف جا گری۔ حاتم مُسکرا رہا تھا۔ عرب چھاپا مار گھبرا سے گئے۔ ایک دوسرے چھاپا مار نے مشین گن نکال کر بہت قریب سے حاتم پر تڑ تڑ گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ گولیاں ٹن ٹن کی آوازیں پیدا کرتی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر فرش پر گرتی گئیں۔ مشین گن خالی ہو گئی تو عرب نوجوان ہکا بکّا سے ہو کر ایک دوسرے کا مُنھ

تکنے لگے ۔ حاتم نے کہا :

"میں نہ کہتا تھا کہ ابھی میرا آخری وقت نہیں آیا۔ تم مجھے ذرا سا نقصان بھی نہیں پہنچا سکو گے۔ تم اپنی باری پوری کر چکے ہو۔ اب میری باری ہے۔ لیکن اگر میں نے حملہ کیا تو تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

حاتم کے جسم پر گولیوں کے اثر نہ کر سکنے سے سارے نوجوان خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی جن بھوت! وہ حاتم کے پلنگ سے ذرا پرے ہٹ کر کھڑے تھے اور اُسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے تک رہے تھے۔

شامی نے رُک رُک کر کہا "ت....ت....تم کون ....کون ہو؟"

حاتم نے شامی عرب کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے سے اپنے ہاتھوں کی رسّیاں توڑ ڈالیں۔ پھر دوسرے جھٹکے سے پیروں کی رسّیاں توڑ دیں۔ عرب چھاپا مار بُت بنے یہ سارا جادو کا کھیل دیکھ رہے تھے۔ جب حاتم آزاد ہو کر پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گیا تو وہ سب باہر کو بھاگے، یہ سوچ کر کہ نہ جانے یہ جن بھوت ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ حاتم نے ہاتھ کے اشارے سے

سے انھیں روک کر کہا :

"مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تمھیں کچھ نہ کہوں گا۔ تم کو میں اپنا دوست سمجھتا ہوں کیوں کہ تم بڑے بہادر ہو اور اپنے وطن فلسطین کے لیے اپنی جانیں قربان کر رہے ہو۔"

یہ سُن کر عرب چھاپا ماروں کو کچھ حوصلہ ہوا اور وہ حاتم کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اب اُن کی رائے بدل چکی تھی اور وہ حاتم کو اپنا خیر خواہ سمجھنے لگے تھے۔ پھر انھوں نے حاتم کو بلال کے بارے میں بتایا کہ وہ وطن سے نکالے ہوئے فلسطینی عربوں کو اُن کا وطن واپس دلانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اُن کے لیے اُس نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

حاتم نے پوچھا "کیا یہ سچ ہے کہ ان دنوں وہ اسرائیل کے شہر تل ابیب کی جیل میں قید ہے؟"

شامی نے کہا "ہاں۔ بلال آخری بار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مُہم پر گیا تھا۔ وہ مُہم ناکام ہو گئی۔ ہمارے کچھ ساتھی شہید ہو گئے اور کچھ پکڑے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں بلال بھی تھا۔ اب وہ یہودیوں کی قید میں ہے۔ اس کے ساتھ ہماری ایک چھاپا مار ساتھی لڑکی لیلےٰ بھی قید ہے۔"

حاتم ان کی باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا۔ اُس نے گہرا سانس بھرا اور کہا "مجھے بلال کو رہا کرانے کے لیے

تل ابیب جانا ہوگا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ میں وہاں کس طرح پہنچ سکتا ہوں؟"

عُمر نے کہا "اے حاتم، کتنا اچھا ہو کہ تم ہمارے ساتھ مل کر کام کرو!"

حاتم نے کہا "میں دنیا کے سبھی دُکھی انسانوں کے کام آنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میری زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ جہاں کوئی مصیبت میں مبتلا انسان کو دیکھوں، اس کی مدد کروں۔"

وہ سب حاتم کی اس بات سے بڑے خوش ہوئے، کیوں کہ انھیں احساس ہو چکا تھا کہ حاتم اُن کے لیے وہ کام کر سکتا ہے جو وہ سارے مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ شامی نے حاتم کو بتایا کہ اگلی رات ایک گوریلا چھاپا مار پارٹی تل ابیب شہر کا سب سے بڑا پل اُڑانے جا رہی ہے۔ حاتم نے کہا وہ اس پارٹی کے ساتھ جائے گا اور پُل اُڑانے میں چھاپا ماروں کی پوری پوری مدد کرے گا۔ عرب نوجوانوں نے خوش ہو کر حاتم طائی کے ہاتھ چوم لیے۔

حاتم نے کہا "پُل اُڑانے کے بعد میں بلال کو جیل سے نکالنے کی کوشش کروں گا، جیسے بھی ہوا اُسے اپنے ساتھ پیرس لاؤں گا اور اس کی بیوہ ماں کے حوالے کر کے اس کا

کلیجا ٹھنڈا کروں گا۔"

حاتم نے وہ سارا دن اور شام چھاپا ماروں کے ساتھ خفیہ ٹھکانے پر ہی گزاری اور آدھی رات کے بعد ان کے ساتھ اسرائیل کے شہر تل ابیب روانہ ہوگیا۔ وہ کُل چھ آدمی تھے۔ پانچ عرب چھاپا مار اور چھٹا حاتم۔ آدھی رات کو وہ پیرس کے ہوائی اڈے اورلی سے ایک جہاز پر سوار ہوئے اور اُردن کی طرف پرواز کر گئے۔

اور پُل اُڑ گیا

چند گھنٹے بعد وہ ایک خُفیہ ہوائی اڈے پر اُتر گئے یہ جگہ دریائے اُردن کے مشرقی کنارے پر اُونچے اُونچے ٹیلوں کے درمیان تھی۔ پائیلٹ نے بڑی ہوشیاری سے جہاز ان ٹیلوں کے درمیان اُتارا تھا اور پھر جہاز اسی وقت واپس لے گیا تھا۔

یہ لوگ ایک کھوہ میں چُھپ گئے اور رات کا اندھیرا چھا جانے کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں انھیں کچھ دوسرے چھاپا مار بھی ملے جنھوں نے پُل کے بارے میں ضروری باتیں ان کو بتائیں۔ یہ پُل تل ابیب شہر سے آگے اسرائیل کے ایٹمی پلانٹ کو شہر سے ملاتا تھا اور اس کے نیچے دریا

بہتا تھا۔ فوجی اعتبار سے اِس پُل کی بڑی اہمیت تھی اور سارا دن اس پر فوجی گاڑیاں چلتی رہتی تھیں۔ اس پُل کے دونوں جانب یہودی فوجوں نے بڑے زبردست مورچے بنا رکھے تھے۔ ٹیلوں پر طیّارہ شکن توپیں بھی لگی تھیں۔ یعنی پُل کی حفاظت کا بڑا سخت بندوبست کیا گیا تھا۔

اس کے باوجود یہ سرفروش اپنے وطن کی خاطر اور اسلام کی خاطر اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر پُل اُڑانے کو جا رہے تھے۔ اُن میں سے کسی کو بھی زندہ واپس آنے کی اُمّید نہ تھی۔ فلسطینی چھاپا مار ہمیشہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جاتے تھے۔ انھیں پتا ہوتا تھا کہ وہ شاید ہی واپس آ سکیں۔ اس لیے وہ ہر ممکن طریقے سے اپنے مشن کو مکمّل کرنے کی کوشش کرتے، خواہ اس میں ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

دوسرا مشن فلسطینی عرب چھاپا مار لڑکی لیلٰے کو یہودیوں کی قید سے آزاد کرانا تھا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ پُل اُڑانے کے بعد اُن میں سے جو زندہ رہا وہ حاتم کے ساتھ لیلٰے اور بلال کو رہا کرانے کی کوشش کرے گا۔ نقشہ کھول کر وہ موم بتّی کی روشنی میں وہ جگہ دیکھنے رہے جہاں دریا پر پُل کا نشان لگا تھا اور جہاں سے انھیں دریا میں اُتر کر پُل کے نیچے بارودی سُرنگیں لگانی تھیں۔

آخر رات ہونے لگی، اندھیرا پھیلنے لگا، اور جب ہر طرف سناٹا چھا گیا اور صحرا میں ریت کے ٹیلے اندھیرے میں بھوت دکھائی دینے لگے تو یہ سرفروش چھاپا مار اللہ کا نام لے کر کھوہ سے باہر نکل آئے۔ انھوں نے سروں پر فلسطینی چھاپا ماروں کے رومال لپیٹ رکھے تھے اور ہر ایک کے پاس مشین گنیں اور جیب میں دس دس دستی بم تھے۔ حاتم نے اپنے پاس نہ کوئی دستی بم رکھا تھا اور نہ کوئی مشین گن یا پستول گلے میں ڈالا تھا۔ عمر نے کہا بھی کہ وہ ایک پستول ہی رکھ لے لیکن حاتم نے مسکراتے ہوئے کہا:

"مجھے اس کی نہ تو اپنے بچاؤ کے لیے ضرورت ہے اور نہ کسی کو مارنے کے لیے۔"

حاتم کی باتیں ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں پھر بھی انھیں ایک بات کا یقین تھا کہ حاتم کوئی عجیب و غریب مخلوق ہے اور اس کا ساتھ رہنا ان لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ اندھیری رات تھی۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا، اور ان کی پھیکی پھیکی روشنی میں چھاپا مار راستہ تلاش کرتے جا رہے تھے۔ کچھ دور وہ دریائے اردن کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ دریا میں پانی کم تھا اور ایک جگہ ریت کا ایک ٹیلا سا ابھرا ہوا تھا۔ یہاں سے انھوں نے دریا عبور کر لیا۔

دریا کے دوسرے کنارے پر جا کر وہ خشک جھاڑیوں کے ایک میدان سے گزرے۔ آگے کھجوروں کے کچھ درخت تھے۔ یہ اُن کی خاص نشانی تھی۔ اس سے آگے اسرائیل کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں انھوں نے ایک بار رُک کر ایک دوسرے کو ہوشیار اور چوکنّا رہنے کو کہا اور نصف دائرے کا چکر کاٹ کر ایک کچی سڑک پر آگئے۔ یہ کچّا راستہ آگے جا کر ایک پکی سڑک سے جا ملا۔

یہی وہ پکی سڑک تھی جو حیفہ کی بندرگاہ سے تل ابیب کو جاتی تھی۔ وہ اس سڑک پر تھوڑا تھوڑا فاصلہ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ رات کے اندھیرے میں وہ ڈراؤنے سائے لگ رہے تھے۔ دُور سے ایک گاڑی کی روشنیاں دکھائی دیں۔ عُمر نے، جو پارٹی کا لیڈر تھا، سیٹی بجا کر سب کو خبردار کر دیا۔ حاتم عُمر کے ساتھ ہی تھا۔ عُمر نے اسے گاڑی کی روشنیاں دکھا کر کہا:

"ہمیں اس گاڑی کو پکڑنا ہے۔ پھر یہاں سے دریا پر پہنچنا ہے، جس کا پُل ہمارے بموں کا اِنتظار کر رہا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کِھی کِھی کر کے ہنس پڑا۔ حاتم ان فلسطینی مجاہدین کے جذبے سے بڑا متأثر ہوا جو موت کے مُنھ میں جاکر بھی ہنس رہے تھے۔ آنے والی گاڑی ایک جیپ تھی،

جس میں دو یہودی فوجی بیٹھے تھے۔ حاتم نے چوں کہ عام کپڑے پہن رکھے تھے، اس لیے وہ سڑک کے درمیان کھڑے ہو کر جیپ کو روکنے کے لیے ہاتھ ہلانے لگا۔ اگر عمر جاتا تو اس کی چھاپا مار وردی سے فوجی اسے پہچان جاتے اور گولیاں برسانی شروع کر دیتے۔

یہودی فوجیوں نے حاتم کو بھی کوئی یہودی سمجھا جس کو لفٹ کی ضرورت تھی۔ انھوں نے بریک لگا کر جیپ کھڑی کرلی۔ جوں ہی جیپ کھڑی ہوئی عمر اور اس کے چھاپا مار ساتھی اچھل کر جیپ میں سوار ہو گئے اور مشین گنوں کی نالیاں یہودی فوجیوں کی طرف تان کر کہا:

"نیچے اُتر آؤ!"

اب یہودی سمجھے کہ یہ عرب چھاپا مار ہیں۔ ان سے سبھی یہودی فوجی ڈرتے تھے کیوں کہ یہ لوگ نہ اپنی جان کی پروا کرتے ہیں اور نہ دوسرے کی۔ ان کے سامنے اُن کا پاک مقصد ہوتا ہے جسے وہ اپنی جان دے کر بھی پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دونوں یہودی جیپ سے اُتر کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔

عمر نے اشارہ کیا تو اس کے دو ساتھی آگے بڑھے، انھوں نے یہودیوں کو رسی سے باندھا اور منھ میں کپڑا ٹھونس

کر سڑک کے کنارے ڈال دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر یہ پارٹی جیپ میں سوار ہو گئی اور جیپ اپنی منزل کی طرف اُڑنے لگی۔ اُس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ عُمر نے اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے حاتم سے کہا:

"ہمیں دن کی روشنی نکلنے سے پہلے پہلے پُل کو اُڑانا ہے۔ یہ کام رات کے اندھیرے میں ہی ہو سکتا ہے۔ سُورج نکل آیا تو ہمارے راستے میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی ہو سکتی ہیں۔"

سڑک سُنسان تھی۔ جیپ ہوا سے باتیں کرتی اُڑی چلی جا رہی تھی۔ اب دُور سے اسرائیل کے سب سے بڑے شہر تل ابیب کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ عُمر نے کہا:

"یہاں سے دو میل دُور دریا ہے۔ وہاں جا کر ہم جیپ چھوڑ دیں گے۔ ہو سکتا ہے وہاں ہمیں کوئی اسرائیلی گشتی پارٹی مل جائے۔ بہر حال، ہم ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ چھاپا ماروں کی جیپ دریا کے کنارے پہنچی تو سامنے سے ایک اور جیپ آ گئی۔ اس جیپ میں اسرائیلی فوج کی پولیس بیٹھی تھی۔ اس نے چھاپا ماروں کی جیپ کو روک لیا۔ عُمر نے سرگوشی کی "بس دستی بم پھینکنے

لگا ہوں۔"

حاتم نے جلدی سے کہا "ذرا ٹھہرو۔ ایسا کرنے سے دھماکا ہوگا اور فوج ہوشیار ہو جائے گی۔ میں اِن کو سنبھالتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جیپ سے اُتر کر اسرائیلی پولیس کی جیپ کے پاس آ گیا۔ پولیس کا ایک سارجنٹ باہر نکل آیا تھا۔اس نے ٹارچ کی روشنی حاتم پر ڈالی اور عربی میں پُوچھا "تم کون لوگ ہو اور آدھی رات کو کہاں جا رہے ہو؟"

جیپ میں کُل دو سپاہی تھے۔ سارجنٹ آگے بڑھ آیا تھا۔ حاتم کو ایک ہی خطرہ تھا کہ اگر سارجنٹ نے اُن کی جیپ پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تو وہ فلسطینی چھاپا ماروں کو پہچان کر فائر کھول دے گا اور یہ لوگ شہید ہو جائیں گے۔ اس نے سارجنٹ سے باتیں شروع کر دیں اور اُسے بتایا کہ وہ مصری یہودی ہے اور اپنے دوستوں کے ساتھ اسرائیل کی سیر کرنے آیا ہے۔

سارجنٹ نے پُوچھا "مگر اتنی رات گئے تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

حاتم نے کہا "صحرا میں تاریخی جگہیں دیکھنے گئے تھے کہ رات ہو گئی۔"

سارجنٹ کو حاتم کی باتوں پر شک ہو گیا تھا۔ اس نے کہا "چلو، مجھے اپنے ساتھی دکھاؤ"

یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ جیپ میں فلسطینی چھاپا مار خاموش بیٹھے تھے اور جیپ کچھ فاصلے پر تھی۔ حاتم سارجنٹ کو لے جیپ کی طرف بڑھا۔ دل میں اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ سارجنٹ کے دو ساتھی پولیس والے بھی جیپ سے اتر آئے تھے۔ وہ اپنے سارجنٹ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

جیپ کے پاس جاتے ہی سارجنٹ نے چھاپا ماروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور انھیں پہچان کر فائر کر دیا۔ گولی جیپ کے شیشے پر لگی اور وہ چکنا چور ہو گیا۔ عُمر نے اُچھل کر چھلانگ لگائی اور مشین گن کی باڑھ ماری جس سے سارجنٹ زخمی ہو کر گر پڑا۔ دونوں پولیس والے چھاپا ماروں کی فائرنگ سے گھبرا کر اپنی جیپ کی طرف دوڑے، مگر عُمر نے انھیں جیپ پر سوار ہونے کا موقع نہ دیا۔ وہ بھی زخمی ہو کر گر پڑے۔

چھاپا ماروں نے ان کی جیپ کے ٹائروں کو پھاڑ دیا اور وائرلیس سیٹ بھی بے کار کر دیا۔ پھر عُمر نے مشین گن لہرا کر کہا "یہاں سے نکل چلو"

چھاپا مار جیپ میں بیٹھ کر آگے روانہ ہو گئے۔ ان کی

جیپ ایک بڑی عمارت کے آگے سے گزری جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ پھر ایک چوک آیا جس کی ٹریفک بتّی جل اور بجھ رہی تھی۔ یہاں سے وہ دریا کی طرف نکل گئے۔

دریا کا کنارہ سُنسان تھا اور یہاں کوئی روشنی نہیں تھی۔ ذرا فاصلے پر پُل کا سایہ نظر آ رہا تھا۔ انھوں نے جیپ کو ایک جگہ جھاڑیوں میں چُھپا دیا اور اپنا اپنا سامان کندھوں پر ڈال کر دوڑتے ہوئے دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

دریا زیادہ چوڑا نہ تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ پُل کے قریب پہنچے تو اچانک پُل کے مورچے میں سے سرچ لائٹ کی روشنی دریا پر پڑنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ! جلدی!" عمر نے کہا۔

چھاپا مار ریت پر جُھک گئے۔ سرچ لائٹ کا گول دائرہ آہستہ آہستہ دریا کے کنارے پر آیا اور پھر اُن کی طرف بڑھنے لگا۔ اسرائیلی سپاہیوں کو یہ چھاپا مار نظر آجاتے تو ان پر وہ مشین گن کے علاوہ توپ سے بھی فائر کر سکتے تھے اور یوں اُن کا شہید ہو جانا یقینی تھا۔ مگر خوش قسمتی سے روشنی کا دائرہ اُن کے بالکل قریب آ کر دریا کی طرف گھوم گیا۔

عمر نے خُدا کا شکر ادا کیا۔ دوسرے چھاپا ماروں نے بھی اِطمینان کا سانس لیا۔ مگر اب روشنی بار بار دریا پر پڑ رہی

تھی اور دریا میں اُتر کر پُل تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔
حاتم نے کہا "تم لوگ اسی جگہ چھُپے رہو۔ میں اسرائیلی مورچے میں جاکر اس روشنی کو ختم کرتا ہوں"۔
عُمر نے کہا "وقت بہت تھوڑا ہے۔ دیر ہو گئی اور دن نکل آیا تو ہم اپنے مشن میں کام یاب نہ ہو سکیں گے"۔
حاتم بولا "میں جانتا ہوں۔ میں یہ کام بڑے تھوڑے وقت میں کرنے کی کوشش کروں گا"۔
اتنا کہہ کر حاتم دریا کے پُل کی طرف دوڑنے لگا۔ اُس کا سانس نہیں پھُولتا تھا، اس لیے وہ بھاگتا چلا گیا اور بہت کم وقت میں پُل کے نیچے ریت کے پُشتے کی اوٹ میں چلا گیا، جس کے درمیان سے دریا کا پانی بڑی تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ اس پُشتے کے بالکل اوپر، پُل کے مغربی کنارے پر، اسرائیلی فوج کا مورچہ تھا اور یہیں سرچ لائٹ لگی ہوئی تھی۔
سرچ لائٹ کی روشنی برابر دریا کو کھنگال رہی تھی۔ حاتم چھُپتا چھُپاتا، پُشتے کے اُوپر سے ہو کر، پُل پر آ گیا۔ اسے کسی نے نہ دیکھا۔ ایک تو رات کا اندھیرا، دُوسرے اسرائیلی فوجیوں کے گُمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی چھاپا مار اتنا بڑا خطرہ مول لے کر پُل پر آ سکتا ہے۔

مورچے کے اِرد گرد ریت کی بڑی بڑی بوریاں پڑی تھیں
اُن کے درمیان چار فوجی بیٹھے آپس میں ہنس ہنس کر
اسرائیلی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک فوجی سرچ لائٹ
کے پاس کھڑا اُسے دریا پر آہستہ آہستہ گھُما رہا تھا۔ حاتم
رینگ رینگ کر مورچے کے پیچھے آگیا۔ اب وہ مورچے سے
کوئی بیس قدم کے فاصلے پر پتھروں کے بیچ میں لیٹا تھا۔
وہ سارا کام اس طرح کرنا چاہتا تھا کہ شور پیدا نہ ہو اور
پُل کی دوسری طرف کے مورچے والوں کو خبر نہ ہو جائے
اس نے ایک ترکیب سوچی اور ایک پتھر اُٹھا کر دوسرے
پتھر پر مارا۔ اس سے آواز پیدا ہوئی تو مورچے میں بیٹھے
ہوئے فوجیوں نے اُدھر چونک کر دیکھا۔

"یہ آواز کیسی تھی؟"

"میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

ایک اسرائیلی فوجی مشین گن لٹکائے حاتم کی طرف بڑھا۔
حاتم ہوشیار ہو گیا۔ جُونہی وہ حاتم کے قریب آیا، اُس نے
اُچھل کر اُس کا گلا دبوچ لیا۔ فوجی مشین گن سمیت نیچے
گرا۔ حاتم نے اُس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے
ہاتھ پاؤں مشین گن کے فیتے سے کس کر باندھ دیے۔
جب یہ فوجی واپس نہ آیا تو اس کی تلاش میں دوسرا فوجی

وہاں گیا۔ حاتم نے اُس کو بھی سر پر مُکّا مار کر بے ہوش کر کے وہیں ڈال دیا۔ اب مورچے میں دو اسرائیلی رہ گئے تھے۔ ایک سرچ لائٹ پر کھڑا تھا اور دوسرا پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ اس کے دونوں ساتھی واپس کیوں نہیں آئے! آخر وہ بھی اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کی تلاش میں آیا۔ حاتم نے اسے بھی بے ہوش کر کے وہیں ڈال دیا۔

اب حاتم وہاں سے نکلا اور رینگتا ہوا مورچے کے پیچھے اُس اسرائیلی کے پاس پہنچ گیا جو سرچ لائٹ پر کھڑا تھا۔ یہ خطرناک مقام تھا۔ ذرا سی آہٹ پر الارم بجا کر یہ اسرائیلی پُل پر پہرا دینے والی فوج کو خبردار کر سکتا تھا اور ایک دم سے توپ کے گولوں کی بارش ہو سکتی تھی۔ مگر حاتم نے اسرائیلی کو ذرا سی مُہلت بھی نہ دی، اور گوریلے کی طرح اس کی گردن دبوچ کر اُسے مورچے ہی میں گرا دیا۔ پھر اس کی کنپٹی پر ایک ایسا گھونسا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے فوراً سرچ لائٹ کا سوئچ آف کر دیا۔

جُوں ہی سرچ لائٹ کی روشنی بجھی، عُمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا "کام شروع کر دو!"

چھاپا ماروں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور پُل کے ستونوں کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ بارُود کی تھیلیاں پلاسٹک

میں لپٹی ہوئی ان کے کندھوں پر رکھی تھیں۔ حاتم پُل کے مغربی مورچے میں مشین گن سنبھالے مشرقی مورچے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہاں سے فائرنگ نہ شروع ہو جائے۔ اس نے تاروں کی روشنی میں اپنے ساتھیوں کو دریا میں تیر کر ستونوں کی طرف جاتے دیکھ لیا تھا۔

اُوپر اسرائیل کی ایٹمی لیبارٹری تھی، جدھر سے ایک ٹرک پُل کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی تیز روشنی پڑی تو پُل کے ساتھ دریا کا ایک حصّہ بھی روشن ہو گیا۔ فلسطینی چھاپا ماروں نے عمُر کے اشارے پر پانی میں ڈبکیاں لگا دیں۔ ٹرک پُل پر سے گڑگڑ کرتا گزر گیا۔

چھاپا ماروں نے پانی کی سطح سے اپنے سر باہر نکال لیے۔ وہ برابر ستونوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور اب فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت مورچے کے وائرلیس کی گھنٹی بجی۔ حاتم پریشان ہو گیا۔ دوسرے مورچے والے بات کرنا چاہتے تھے۔ شاید وہ پُوچھنا چاہتے تھے کہ اس مورچے کی سرچ لائٹ کیوں بند ہو گئی ہے۔ اچانک حاتم کو کسی کی آواز سُنائی دی۔ کوئی اسرائیلی زبان میں بات کر رہا تھا۔ حاتم اس زبان سے ناواقف تھا۔ اس نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے جھٹ بٹن دبایا اور مائک کھول کر ایک قہقہہ

لگا کر کہا:

"یار، کبھی عربی میں بھی بات کر لیا کرو۔ اس طرح ہمیں عرب چھاپا ماروں کی باتیں سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ اب کہو، کیا بات ہے؟"

دوسری طرف سے اسرائیلی سپاہی نے بھی ہنس کر کہا:

"ہاں، کبھی کبھی ہمیں عربی میں بھی بات کرنی چاہیے۔ ہم اس زبان کو کہیں بھول نہ جائیں۔ کیا کر رہے ہو تم؟"

حاتم نے بڑی لاپروائی سے کہا "کیا کروں۔ سرچ لائٹ کا سوئچ خراب ہو گیا ہے۔ اس کی مرمت کر رہا ہوں۔"

وائرلیس بند ہو گیا۔ حاتم نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا، جیسے اُس کے سر پر سے کسی نے ہزاروں من کا بوجھ اُٹھا کر نیچے رکھ دیا ہو۔ اس نے اندھیرے میں گھور گھور کر دریا کی طرف دیکھا۔ چھاپا مار ستونوں کے باہر نکلی ہوئی پٹڑی پر بیٹھے، بارود کی تھیلیاں سوراخوں میں رکھ کر، اُن کے ساتھ فیوز کے تار جوڑ رہے تھے۔ وہ یہ کام بڑی تیزی سے کر رہے تھے کیوں کہ تھوڑی ہی دیر بعد پو پھٹنے والی تھی۔

حاتم جلدی سے اُٹھ کر اُن اسرائیلی فوجیوں کے پاس گیا جن کو اُس نے بے ہوش کیا تھا۔ جس کے مُنھ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا وہ تو بے چارگی کی حالت میں پڑا تھا باقی دونوں

بھی اسی طرح بے ہوش تھے۔ حاتم نے اُن کی مشین گنیں اور پستول اُٹھا کر پرے پھینک دیے۔ جو اسرائیلی اپنے مورچے میں بے ہوش پڑا تھا وہ بھی صبح سے پہلے ہوش میں آتا نظر نہ آتا تھا۔ حاتم کو پُل کے دوسرے مورچے کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ اُدھر سے کسی بھی وقت کوئی دھماکا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیّار تھا۔

آخر وہی ہوا جس کا حاتم کو ڈر تھا۔ وائرلیس پر کسی نے تیز آواز میں اسرائیلی زبان میں بولنا شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ اپنے سپاہیوں سے بات کرنا چاہتا تھا۔ یہ وائرلیس دوسرے مورچے سے آ رہا تھا۔ حاتم خاموشی اور بے تابی سے پُل کے نیچے دیکھ رہا تھا جہاں چھاپا مار مشین ایسی پُھرتی کے ساتھ ستونوں میں ڈائنا مٹ لگا رہے تھے۔ وہ تقریباً اپنا کام ختم کر چکے تھے کہ پُل کے دوسرے مورچے میں سے دو سپاہی نکل کر حاتم والے مورچے کی طرف دوڑے۔

دوسری طرف، ایٹمی پلانٹ کی جانب سے، دو فوجی ٹرک نکل کر پُل پر آ گئے۔ حاتم نے نیچے دیکھا۔ پُل کے ستونوں میں ڈائنا مٹ لگا دیے گئے تھے۔ عُمر تار کو دریا میں ڈال رہا تھا۔ حاتم نے سیٹی بجا کر انھیں خطرے سے خبردار کر دیا۔ اچانک

دوسرے مورچے والے اسرائیلی حاتم کے سر پر آ گئے اور انھوں نے دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دی۔ حاتم اس فائرنگ میں ہی نیچے کی طرف بھاگا۔ گولیاں اس کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور وہ نیچے چھاپا ماروں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ عُمر نے فائرنگ کی آواز سُنی تو چیخ کر کہا "فیوز اُڑا دو!"

یہ ایک بے حد بہادرانہ فیصلہ تھا۔ کیوں کہ سارے چھاپا مار پُل کی زد میں تھے۔ عُمر نے دیکھ لیا تھا کہ وہ تارہ کو لے کر دریا کے کنارے نہیں پہنچ سکیں گے۔ اسرائیلیوں نے چھاپا ماروں کو دیکھ لیا تھا اور اب سرچ لائٹ کی روشنی نے سارے پُل کو روشن کر دیا تھا۔ اُن پر تڑا تڑ گولیاں برس رہی تھیں کہ ایک چھاپا مار نے، عُمر کے حُکم کے مطابق، فیوز اُڑا دیا۔

اس کے ساتھ ہی ایک زبردست دھماکا ہوا اور پُل اُڑ گیا۔ اسرائیلی ٹرک اور سپاہی بھی اس کے ساتھ ہی اُڑ گئے۔ حاتم اپنی جگہ سے کوئی دس فٹ اُچھل کر دُور ریت کے گڑھے میں جا گرا۔ اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ پُل دریا میں جا گرا تھا اور سرچ لائٹ والا مورچہ تباہ ہو گیا تھا۔ اُسے اپنے ساتھی کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یقیناً وہ سب شہید ہو چکے تھے، کیوں کہ دھماکے کے وقت وہ پُل کے

بیچے تھے۔

پُل کے گرنے سے ایک قیامت مچ گئی تھی۔ جگہ جگہ سے الارم کے بھونپو چیخنے لگے تھے۔ حاتم اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دریا کے اُلٹے رُخ بھاگنے لگا۔ پُل کی دوسری جانب سے اسرائیلی فوجیوں کے چِلّانے اور گولیوں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چھاپا ماروں کا کہیں نام نشان نہ تھا۔ انھوں نے اپنے وطن پر اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔ حاتم اندھیرے میں تیز تیز دوڑنے لگا۔

ایک اور دھماکا

دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ سُورج صحرا کے ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے طلُوع ہو رہا تھا۔ حاتم نے ایک جگہ ایک سائے کو دریا سے نکل کر ریت پر رینگتے دیکھا تو جُھک کر بیٹھ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ سایہ اُسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے حاتم کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ قریب آیا تو حاتم نے فلسطینی چھاپا مار لیڈر عُمر کو پہچان لیا۔ اس کے کندھے سے خُون بہہ رہا تھا۔ حاتم کو دیکھ کر اس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

” آگے چلو، جہاں دریا کا پاٹ تنگ ہے، وہاں سے

دریا عبور کرنا ہے۔"
مگر حاتم نے کہا کہ اُسے بلال اور لیلے کی تلاش میں جانا ہے۔ اس پر عمر بولا:
"ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ ہمیں بیرس میں تمہاری ضرورت ہے۔"
حاتم نے عمر کو اُٹھایا اور اس کے کندھے کو دیکھ کر کہا "تم زخمی ہو۔ لاؤ، میں تمہارے زخم پر رُومال باندھ دُوں۔"
رُومال بندھوا کر عمر نے کہا "ہم ایسے زخموں کی پروا نہیں کرتے۔ میرے ساتھ آؤ۔ یہاں رُکنا خطرناک ہو گا۔ اسرائیلی فوجی ہماری تلاش میں ہوں گے۔ جلدی کرو۔"
عمر نے حاتم کو ساتھ لیا اور دونوں دریا کے اُوپر کی جانب چل دیے۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد دریا کا پاٹ تنگ ہو گیا۔ یہاں ریت اُبھری ہوئی تھی۔ انھوں نے اس جگہ سے دریا پار کر لیا۔ دوسری طرف ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے سُورج کی روشنی میں دُور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔

اب سُورج اُوپر آ گیا تھا۔ گرمی بڑھنے لگی تھی۔ صحرا سے بھاپ سی خارج ہو رہی تھی۔ وہ چلتے گئے۔ کچھ دُور جا کر انھیں ایک چھوٹی سی کچّی سڑک ملی جو دُور دُور

تک ویران تھی۔ عمر نے حاتم سے کہا :
"یہ سڑک اسرائیلی علاقے کی آخری حد ہے۔ اب ہم محفوظ ہیں"
دوپہر تک وہ صحرا میں آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے۔ گرمی اور پیاس نے انھیں بے حال کر دیا تھا۔ عمران علاقوں سے خوب واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھبرایا نہیں۔ ایک جگہ ریت کا تودہ سا بنا ہوا تھا۔ عمر وہاں بیٹھ گیا۔ پیاس سے اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اُس نے حاتم سے کہا :
" اس تودے کے نیچے پانی ہے "
حاتم نے تودے کو کھودا تو نیچے سے شفّاف اور میٹھے پانی کا چھوٹا سا چشمہ نکلا۔ انھوں نے جی بھر کر پانی پیا اور منھ ہاتھ دھویا۔ تازہ دم ہو کر وہ آگے چل پڑے۔ دھوپ اب برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اچانک ایک ٹیلے سے ایک بھورے رنگ کی جیپ نکل کر تیزی سے اُن کی طرف آئی اور قریب آ کر رُک گئی۔ اس میں سے تین عرب چھاپا مار چھلانگیں لگا کر باہر نکلے۔ انھوں نے عمر اور حاتم طائی کو سلام کیا۔
"قائد ! آپ کا مشن کامیاب رہا۔ ہمیں اسرائیلی وائرلیس پر پتا چل گیا ہے کہ پُل اُڑا دیا گیا ہے "

پھر انھوں نے عمر کو سہارا دے کر جیپ میں بٹھایا۔ حاتم بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا اور جیپ اُردن کے دارالحکومت عُمان کے خُفیہ ہوائی اڈّے پر پہنچ گئی۔ یہاں عمُر کی مرہم پٹّی کی گئی، اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر رات کے وقت ایک چھوٹا سا جہاز عمُر اور حاتم کو لے کر پیرس کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہوائی جہاز پچھلی رات کے اندھیرے میں پیرس کے باہر ایک جنگل کے درمیان بنے ہوئے خُفیہ رن وے پر اُتر گیا۔ عمُر نے حاتم کو ساتھ لیا اور اپنے زمین دوز ٹھکانے پر آ گیا۔ یہاں عمُر کے زخم میں ایک عرب ڈاکٹر نے چار ٹانکے لگائے اور مرہم پٹّی کر دی۔ حاتم نے عمُر سے پُوچھا:

"مجھے بلال اور لیلےٰ کی تلاش میں کب یہاں سے روانہ ہونا ہوگا؟"

عمُر نے کہا "ہمارے جاسُوسوں نے اطّلاع دی ہے کہ پیرس کے ایک قلعے کے اندر اسرائیلی ایجنٹوں نے ایک خُفیہ جگہ بنا رکھی ہے، جہاں سے وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو تل ابیب میں ہمارے بارے میں وائرلیس پر اِطّلاعات دیتے ہیں اور ہمارے چھاپا ماروں کو اغوا کر کے اِسرائیل بھجوا دیتے ہیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اسرائیلی ایجنٹوں کی اس خُفیہ کمین گاہ کو تباہ کرنے میں ہماری مدد کرو۔ یہ فلسطین کے لیے ایک بہت بڑی خدمت ہو گی۔ میں اسی لیے تمھیں اپنے ساتھ یہاں لایا ہوں۔ لیلے اور بلال کی تلاش میں تم اس مِشن کے مکمل ہونے کے بعد روانہ ہو سکتے ہو۔"

حاتم طائی کو عرب مجاہدین کے ساتھ کام کر کے خوشی ہوتی تھی، کیوں کہ یہ لوگ اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لیے اپنی جانیں قُربان کر رہے تھے۔ اُس نے کہا:

"اِس کام کے لیے تمھیں میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ تم مجھے اُس قلعے کا پتا بتا دو۔ یہ کام میں اکیلا ہی کر لوں گا۔"

عمُر نے کہا "میں جانتا ہوں کہ تم یہ کام اکیلے بھی کر سکتے ہو، مگر میرا تمھارے ساتھ جانا ضروری ہے۔ ہم دو روز بعد اپنے اِس نئے مشن پر روانہ ہو جائیں گے۔"

دو دن بعد پیرس کا موسم بہت خراب ہو گیا۔ بارش اور آندھی نے پیرس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انھیں مزید ایک دن انتظار کرنا پڑا۔

چوتھے روز عمُر اور حاتم رات کے گیارہ بجے، جب پیرس کا شہر روشنیوں میں جگ مگا رہا تھا، ایک ٹیکسی میں سوار

ہو کر اسرائیلی ایجنٹوں کے خفیہ ٹھکانے کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ وہ شہر سے کافی دُور نکل گئے۔ اب جنگل شروع ہو گیا تھا جہاں اندھیرا اور گہری خاموشی تھی۔

عمر نے یہاں ٹیکسی چھوڑ دی اور حاتم کو لے کر پیدل ہی جنگل میں داخل ہو گیا۔ وہ قلعے کے راستے سے واقف تھا، اس لیے آگے آگے چل رہا تھا۔ جنگل کا راستہ تنگ تھا اور گنجان درختوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ بارش کی وجہ سے یہاں زمین گیلی تھی۔ کسی درخت پر اُلّو بولا تو عُمر نے اُوپر دیکھا اور پھر آگے چل پڑا۔ اس جنگل میں کوئی آدھ گھنٹے پیدل چلنے کے بعد وہ دونوں گھنے درختوں سے باہر نکل آئے۔ عُمر کے پاس ریوالور اور چھ دستی بم تھے۔ حاتم خالی ہاتھ تھا۔

جنگل سے نکلے تو انھوں نے سامنے ٹیلے پر ایک چھوٹا سا قلعہ دیکھا جو رات کے اندھیرے میں ایک بہت بڑے گدھ کی طرح پر پھیلائے ہوئے تھا۔

عُمر نے کہا "یہی ہمارا نشانہ ہے۔ یہی وہ قلعہ ہے، جہاں سے اسرائیلی جاسوس ہمارے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں اور ہمارے بارے میں اسرائیل کے محکمہ جاسوسی کو اطلاعات دیتے ہیں۔ وہ ہمارے کئی دوستوں کو پیرس سے پکڑ کے اس

قلعے میں لے گئے اور پھر انھیں اسرائیل پہنچا دیا۔"
وہ باتیں کرتے ہوئے قلعے کے پیچھے سے اُوپر چڑھ رہے تھے۔ جب قلعہ کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر رہ گیا تو عمُر نے حاتم کو ایک طرف لے جا کر کہا" اب یہاں سے تمھارا کام شروع ہوتا ہے۔ وہ سامنے والا بڑا پتّھر دیکھ رہے ہو نا؟"

"ہاں" حاتم طائی نے جواب دیا۔
عمُر نے کہا" اس پتّھر کے پیچھے ایک اسرائیلی ہر وقت پہرا دیتا ہے۔ میں تمھیں ایک ٹیکا دے رہا ہوں۔ تمھیں پیچھے سے جا کر اس اسرائیلی کے یہ ٹیکا لگانا ہے تاکہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ اگر ہم نے گولی چلائی تو اس کے دھماکے سے قلعے کے اندر کے لوگ ہوشیار ہو جائیں گے۔ یہ لو انجکشن۔"
یہ کہہ کر اُس نے حاتم کو ایک چھوٹی سی شیشی دی۔
پھر اُس نے کہا" اسرائیلی پہرے دار کے جسم پر اسے آہستہ سے دبا دینا۔ بے ہوشی کی دوا اپنے آپ اس کے جسم میں چلی جائے گی اور وہ دو گھنٹے تک بے ہوش رہے گا۔"
"ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں۔"
"میں اسی جگہ تمھارا انتظار کروں گا۔"
حاتم نے انجکشن کی سُوئی پکڑی اور آگے بڑھا وہ پیچھے

سے اُوپر چڑھ رہا تھا بلکہ رینگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ اُس نے دیکھا کہ ایک اسرائیلی نوجوان سٹین گن پاس رکھے پتھر کے پیچھے بیٹھا ہے اور نیچے ڈھلان پر نظریں جمائے ہوئے ہے حاتم کو نوجوان پر کچھ اس طرح قابو پانا تھا کہ اُس کو گولی چلانے کا موقع نہ مل سکے۔ گولی کی آواز سے گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

وہ رینگ کر، کچھوے کی طرح، آگے بڑھ رہا تھا آخر وہ اتنا قریب پہنچ گیا کہ اُسے اسرائیلی نوجوان کے آہستہ آہستہ گنگنانے کی آواز سُنائی دینے لگی۔ اب بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ ذرا سے کھٹکے پر وہ گولی چلا سکتا تھا۔ وہ سانپ کی طرح پتھروں پر رینگتا اس نوجوان کے بالکل پیچھے آ گیا۔

اسرائیلی نوجوان کی چھٹی حِس نے اُسے ایک دم چوکس کر دیا۔ اُس نے پلٹ کر حاتم کو دیکھا تو ایک دم سٹین گن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مگر اتنی دیر میں حاتم نے چیتے کی طرح اُچھل کر چھلانگ لگائی اور اسرائیلی پہرے دار کے اوپر جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی حاتم نے اس کی گردن میں انجکشن لگا دیا۔ خُدا جانے یہ کس قسم کی دوائی تھی کہ اس نے ایک سیکنڈ میں ہی اثر دکھایا۔ اسرائیلی نوجوان کا جسم نیچے گرنے لگا اور

وہ دیکھتے ہی دیکھتے خاموشی سے بے ہوش ہو گیا۔ حاتم نے اُسے گھسیٹ کر پتھروں کے پیچھے چھپا دیا اور اس کے منہ میں رُومال ٹھونس کر ہاتھ پیر باندھ دیے۔

عُمر بے تابی سے اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ جلدی سے اُٹھا اور چڑھائی چڑھنے لگا۔ حاتم کے پاس پہنچ کر اُس نے کہا:

"سب ٹھیک ہے، کیا؟"

"سب ٹھیک ہے۔"

اس کے بعد عُمر اور حاتم تیزی سے آگے بڑھے اور قلعے کی پچھلی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں دیوار زیادہ اُونچی نہ تھی۔ اُوپر ایک ٹوٹی پھوٹی بُرجی تھی۔ عُمر نے اپنے جسم کے گرد لپٹی ہوئی نائلون کی رسّی نکالی، اس کے آگے آنکڑا لگایا اور گھما کر اُوپر اُچھال دیا۔ آنکڑا اُوپر بُرجی میں جا کر پھنس گیا۔ دونوں اس رسّی کے ذریعے دیوار کے اُوپر چڑھ گئے۔

یہاں بڑی سرد ہوا چل رہی تھی۔ دُور بیرس شہر کی روشنیاں جھلملاتی نظر آ رہی تھیں۔ عُمر نے حاتم کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"قلعے کو راستہ ایک زینے سے جاتا ہے۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

قلعے کی چھت پر کہیں کہیں گھاس اُگی ہوئی تھی اور جگہ جگہ پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہاں سے ایک تنگ سی سیڑھی نیچے اُترتی تھی۔ عمُر نے حاتم طائی سے کہا "بولنا نہیں"

وہ دبے پاؤں، اندھیرے میں، نیچے اُترنے لگے۔ یہاں بڑی ٹھنڈ تھی۔ نیچے سے ٹھنڈی ہوا اُوپر آ رہی تھی۔ عمر نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا۔ سیڑھیاں ایک برآمدے میں جا کر ختم ہو گئیں۔ برآمدہ خالی تھا۔ وہ دبے پاؤں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آگے بڑھے۔ عمُر اس قلعے کے راستوں سے واقف تھا۔ برآمدہ بائیں طرف گھوم گیا۔ وہ روشنی دیکھ کر ایک دم دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ روشنی زیادہ تیز نہیں تھی۔ لگتا تھا اندر کسی نے لالٹین جلا رکھی ہے۔ عمُر نے حاتم طائی کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر پیچھے لے گیا۔ پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا دستی بم نکال کر حاتم کو دیا اور سرگوشی میں کہا:

"یہ گیس کا بم ہے۔ اسے اندر پھینک دو۔ سارے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ تہہ خانے کو راستہ اسی کمرے سے جاتا ہے۔ لالٹین کی روشنی بتا رہی ہے کہ کمرے میں دو چار اسرائیلی ایجنٹ ضرور ہیں"

حاتم طائی نے دستی بم لے لیا تو عمُر نے کہا "پھینکنے

سے پہلے اس کی پن نکال لینا۔"

حاتم گیس کا بم لے کر دیوار کے ساتھ کھسکتا ہوا آگے بڑھا۔ وہ اس دروازے کے پاس پہنچ گیا جہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ اُسے اندر باتیں کرنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اندر تین آدمی ہیں۔ وہ اسرائیلی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ عمر نے تاکید کی تھی کہ ان لوگوں کو گولی چلانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے، کیوں کہ گولی کی آواز اُن کے تہہ خانے کے ساتھیوں کو ہوشیار کر سکتی تھی اور اور ان کا اصل نشانہ تہہ خانہ ہی تھا۔ حاتم نے ان لوگوں کے سامنے جانے کے بجائے وہیں سے بم پھینکنے کا فیصلہ کیا، کیوں کہ سامنے جانے سے ہو سکتا تھا کہ وہ اس پر فائر کر دیتے۔

وہ برآمدے کے فرش پر بیٹھ گیا۔ پھر گھٹنوں اور کہنیوں کے بل چل کر دروازے کے بالکل قریب آ کر رُک گیا۔ اندر سے ایک مرد کے ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ حاتم یہ سوچ کر دل میں ہنس دیا کہ چند سیکنڈ بعد یہ آدمی بے ہوش پڑا ہو گا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ لوگ کسی بڑے سے کاغذ کو لپیٹ کر باہر آ رہے ہیں۔ اب دیر کرنے کا موقع نہ تھا۔

حاتم نے گیس کا بم نکال کر اس کی پن کھینچی اور دس کی گنتی گننے کے بعد اُسے کمرے کے اندر زور سے لڑھکا دیا۔ بم ربڑ کی گیند کی طرح کمرے کے اندر چلا گیا۔ کسی نے اونچی آواز میں کچھ کہا، مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ گیس کا بم ایک ہلکی سی دھپ کی آواز کے ساتھ پھٹ گیا اور سارا کمرا گیس سے بھر گیا۔

حاتم بھاگ کر عمر کے پاس آگیا۔ عمر نے اپنے کوٹ کی اندر والی جیب میں سے نائلون کے دو گیس ماسک نکالے۔ ایک خود پہن لیا اور دوسرا حاتم طائی کو دے دیا۔ ماسک پہن کر دونوں کمرے میں آ گئے۔ بے ہوشی کی گیس کمرے میں پھیلی ہوئی تھی اور اندر تین اسرائیلی ایجنٹ فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔ میز پر کاغذ اور کھانے کی چیزیں رکھی تھیں۔ لالٹین جل رہی تھی۔

عمر نے حاتم سے کہا "جلدی سے نیچے چلو۔"

اس کمرے میں ایک زینہ نیچے جاتا تھا۔ یہ بڑا تنگ زینہ تھا اور اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ عمر آگے آگے تھا۔ وہ زینے کی دیوار کے ساتھ لگ کر نیچے اُتر رہے تھے۔ بے ہوشی کی گیس کی بُو یہاں بھی پہنچ گئی تھی۔ گیس کی وجہ سے تہہ خانے میں موجود اسرائیلی

ایجنٹوں نے ناک سکیڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ بُو کس چیز کی ہے؟"

"اُوپر چل کر دیکھتے ہیں۔"

چاروں ایجنٹ تہہ خانے سے باہر نکلے تو اُوپر انھوں نے گیس ماسک پہنے دو آدمیوں کو دیکھا۔ یہ حاتم طائی اور عمُر تھے۔ ایک ایجنٹ نے چلّا کر دوسروں کو خبردار کیا اور ریوالور نکال کر اُوپر تلے تین فائر کر دیے۔ خوش قسمتی سے آگے حاتم طائی تھا اگر عمُر ہوتا تو وہ یقیناً ہلاک ہو جاتا۔ تینوں گولیاں حاتم کے سینے پر لگیں مگر اس پر ایک گولی کا اثر بھی نہ ہوا۔ اس نے اُچھل کر اسرائیلی سے ریوالور چھین لیا اور اُسے دھکّا دے کر پرے گرا دیا۔ اتنے میں باقی تین ایجنٹ بھی اُوپر آ چکے تھے۔

اُنھوں نے بھی پستولوں سے فائرنگ شروع کر دی۔ عمُر نے حاتم کو پیچھے کھینچ کر دستی بم کی پن نکالی اور اسے اسرائیلی ایجنٹوں کی طرف پھینک دیا۔ ایک زبردست دھماکا ہوا۔ دُھواں اُٹھا اور جب دُھواں ہٹا تو چاروں اسرائیلی فرش پر بے جان پڑے تھے۔

عمُر نے حاتم کو اندر آنے کو کہا۔ وہ تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ یہاں چھت کے ساتھ ایک بلب لٹک رہا تھا۔

میز پر ایک طاقت ور ٹرانسمیٹر اور تین وائرلیس پڑے تھے۔ ایک سُرخ کتاب بھی تھی۔ یہ کوڈ بُک تھی۔ اس کوڈ بُک کی زبان میں اسرائیلی ایجنٹ پیرس سے اپنے ہیڈکوارٹر کو خُفیہ اِطّلاعات دیتے تھے۔ عُمر نے اس کتاب کو اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

"یہ بڑی قیمتی کتاب ہمارے ہاتھ لگی ہے۔ اب ہم اسرائیلیوں کے وائرلیس پیغام سمجھ سکیں گے۔"

حاتم طائی نے ٹرانسیمٹر اور وائرلیس سیٹ دیکھ کر کہا "یہاں تو ان لوگوں نے بڑا پکّا انتظام کر رکھا تھا۔"

"یہ ان کا بڑا زبردست ٹھکانا تھا۔ اس کی وجہ سے ہمارے کئی مجاہدین ان لوگوں کی قید میں ہیں یا شہید کر دیئے گئے ہیں۔"

"کیا ہم انھیں اُٹھا کر ساتھ لے جائیں گے؟"

"نہیں۔ انھیں اسی جگہ تباہ کر دیا جائے گا۔"

عُمر نے ایک ٹائم بم نکال کر بڑے ٹرانسیمٹر کے ساتھ لگا کر اس کا بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی ٹائم بم کے اندر لگا ہوا کلاک ٹک ٹک کر کے چلنے لگا۔

حاتم نے تعجّب سے ٹائم بم کو دیکھا اور پوچھا "یہ کب پھٹے گا؟"

"ٹھیک پندرہ منٹ بعد"

عُمر نے کونے میں رکھے ہوئے مٹّی کے تیل کا کنستر کمرے میں اوندھا دیا۔ سارا تیل کمرے میں پھیل گیا۔

"چلو، اب یہاں سے نکل چلو"

دونوں لپک کر سیڑھیاں طے کر کے اُوپر آئے۔ پھر برآمدے سے گزر کر اُوپر والا زینہ چڑھنے لگے۔ یہاں گیس کی بُو اسی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ پھر وہ زینے پر سے ہو کر قلعے کی چھت پر آ گئے۔ تازہ ہوا میں آتے ہی انھوں نے اپنے اپنے گیس کے نقاب اُتار دیے۔ بُرجی میں کمند اسی طرح لٹکی ہوئی تھی۔ اس کمند کی مدد سے وہ باری باری قلعے کی دیوار سے نیچے اُتر گئے۔

وہ ڈھلان پر نیچے بھاگنے لگے۔ جب وہ ٹیلے سے اُتر کر جنگل کے کنارے پہنچے تو عُمر سانس لینے کو رُکا۔ اس نے اندھیرے میں نظر آنے والی گھڑی دیکھی اور کہا:

"صرف آٹھ منٹ رہ گئے ہیں۔ آٹھ منٹ بعد اس قلعے کے اندر ایک دھماکا ہوگا اور اسرائیلی ایجنٹوں کا پیرس میں سب سے خطرناک ٹھکانا تباہ ہو جائے گا"

دونوں جنگل کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور رات کی تاریکی میں بھوت کی طرح نظر آنے والے قلعے

کو دیکھنے لگے۔

وہ ایک ایک سیکنڈ گن رہے تھے، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو۔ جب ایک منٹ باقی رہ گیا تو عمر نے سیکنڈ گننے شروع کر دیئے۔ ٹھیک ساٹھ سیکنڈ گزرنے کے بعد ایک دبے دبے، ڈراؤنے دھماکے کی آواز آئی اور قلعے کی ایک بُرجی میں سے تیز روشنی نکل کر آسمان کی طرف پھیل گئی۔

ٹائم بم چل چکا تھا۔ عمر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے عاثم کو گلے لگا کر کہا "خدا کا شکر ہے۔ ہمارا مشن مکمل ہو گیا۔ آؤ، اب واپس چلیں۔ یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

رات کے دو بج رہے تھے، جب وہ جنگل سے نکل کر پیرس جانے والی سڑک پر آ کر رُکے۔ رات اُسی طرح خاموش، سرد اور اندھیری تھی۔ آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔

"یہاں سے ہمیں کوئی ٹیکسی مل جائے گی" عمر نے کہا اور پیچھے سڑک کی جانب تکنے لگا۔

ایک ٹرک بڑی تیزی سے ان کے قریب سے گزر گیا۔ انھوں نے اس کی روشنی دیکھ کر منہ دوسری طرف کر لیے

تھے۔ پھر ایک چھکڑا سی گاڑی آئی جس میں دیہات سے شہر کے لیے سبزی آ رہی تھی۔ ایک اَدھیڑ عمر کا فرانسیسی کسان اُسے چلا رہا تھا۔ اُس نے گاڑی روک لی۔ عمُر نے فرانسیسی زبان میں مسکرا کر کہا کہ وہ شہر جانا چاہتے ہیں۔ کسان نے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حاتم اور عمُر آلوؤں اور گوبھی کی بوریوں میں جا کر بیٹھ گئے اور گاڑی شور مچاتی ہوئی پیرس کی طرف روانہ ہو گئی۔

اپنے ٹھکانے پر جاتے ہی عمُر نے دوسرے فلسطینی چھاپا ماروں کو مشن کے کامیاب ہونے کی خوش خبری سنائی۔ انھوں نے اللّٰہ اکبر کے نعرے بلند کیے اور حاتم طائی اور عمُر کو باری باری گلے لگایا۔

زہریلے سانپوں کا غار

اگلے دن حاتم طائی بلال کی بوڑھی ماں کے گھر گیا۔ وہ اُسے تسلّی دینا چاہتا تھا، اور بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے بیٹے کو اسرائیلیوں کی قید سے چھڑانے جا رہا ہے۔ جب وہ بلال کی ماں کے فلیٹ میں پہنچا تو وہاں پہلے ہی پولیس پہنچی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ کسی چور نے بوڑھی عورت کو ہلاک کر کے اس کے سارے زیورات وغیرہ چرا

لیے ہیں اور فرار ہو چکا ہے۔

حاتم کو بے حد صدمہ ہوا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ کام اُسی چھرا کا ہے جس نے پہلے بھی اس بے گناہ عورت کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ وہ گھنگھریالے بالوں والا آدمی تھا اور اس کے ماتھے پر زخم کا نشان تھا۔ ذرا سا لنگڑا کر بھی چلتا تھا۔

پولیس ضروری کارروائی کے بعد چلی گئی تو حاتم نے ہمسائے کی ایک عورت سے یونہی باتیں شروع کر دیں۔ اتفاق سے یہ وہ عورت تھی جس نے اپنے مکان کی کھڑکی میں سے قاتل کو آدھی رات کے بعد فلیٹ سے نکلتے دیکھا تھا۔ عورت نے قاتل کا جو حلیہ بتایا وہ اسی گھنگھریالے بالوں والے مجرم کا تھا۔ حاتم طائی وہاں سے نکل کر سڑک پر آگیا۔

پھر وہ ایک ٹیکسی سٹینڈ پر پہنچا اور مختلف ڈرائیوروں سے پوچھ گچھ شروع کی کہ انھوں نے اس حلیے کے آدمی کو کہیں جاتے دیکھا ہے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور کو حاتم نے پچاس فرانک دیے تو اس نے بتایا کہ کل رات ایک گھنگھریالے بالوں والا آدمی جو لنگڑا کر چلتا تھا، اس کی ٹیکسی میں سوار ہوا تھا۔

"تم اُسے کہاں لے کر گئے تھے؟" حاتم نے پوچھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا "وہ دریائے سین کے دوسرے کنارے والی بستی میں اُتر گیا تھا۔ اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں گیا"

"کیا تم مجھے وہاں لے چلو گے ؟"

"ضرور، ضرور"

حاتم ٹیکسی میں بیٹھ کر پیرس کے وسط سے گزرنے والے دریائے سین کے پار ایک پرانی بستی کے باہر پہنچ گیا۔ ڈرائیور نے ایک گلی کے موڑ پر گاڑی روک دی اور کہا :

"اسی جگہ وہ شخص اُتر گیا تھا"

حاتم نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر ٹیکسی چھوڑ دی اور گلی میں داخل ہو گیا۔ یہ کشادہ گلی تھی جس کے دونوں جانب پتھر کے فٹ پاتھ تھے اور اُونچے اُونچے پرانی طرز کے فلیٹ بنے ہوئے تھے، جن کے چھجوں پر عورتوں نے سوکھنے کے لیے کپڑے ڈال رکھے تھے۔ بچے ایک جگہ فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ایک ریستوان بھی تھا جہاں کچھ لوگ بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

حاتم اُس ہوٹل میں آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چائے کا آرڈر دیا اور گاہکوں کو ایک ایک کر کے دیکھنے لگا۔ یہاں اس حلیے کا کوئی آدمی نہ تھا۔

اتنے میں ایک ہٹا کٹا فرانسیسی آدمی، جس نے دھاری دار
جرسی پہن رکھی تھی، حاتم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور
اسے گھورنا شروع کر دیا۔ حاتم اب اپنی ضرورت کی فرانسیسی
زبان بول لیتا تھا۔ اُسے بُرا لگا کہ یہ شخص اسے کس لیے
گھور رہا ہے۔ اُس نے پُوچھا:

"کیا بات ہے، بھائی؟ تمھیں مُجھ سے کوئی کام ہے؟"

وہ شخص مسکرایا۔ بڑی خطرناک تھی اس کی مسکراہٹ۔
پھر میز پر دونوں کُہنیاں ٹکا کر ذرا آگے کو جُھک کر بولا:

"تم جس شخص کی تلاش میں ہو، میں تمھیں اُس کا
ٹھکانا بتا سکتا ہوں۔"

حاتم نے پہلے تو اسے کچھ نہ بتایا کہ وہ کس کی تلاش
میں ہے، مگر جب اُس فرانسیسی گینڈے نے جیب سے اُسی
گھنگھریالے بالوں اور ماتھے پر زخم کے نشان والے قاتل
کی فوٹو نکال کر دکھائی تو حاتم نے کہا:

"تم مجھے اس شخص کے ٹھکانے تک پہنچانے کا
کتنا مُعاوضہ لو گے؟"

فرانسیسی گینڈا زور سے ہنسا۔ پھر آہستہ سے بولا: "ایک
سو فرانک۔ ابھی۔ اسی وقت۔"

حاتم نے جیب سے دو سو فرانک نکال کر اس شخص

کے حوالے کیے اور کہا "میں تمہیں دُگنی رقم دے رہا ہوں مجھے یہ بتاؤ کہ بیوہ عورت کا یہ قاتل کہاں رہتا ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ"

فرانسیسی گینڈا حاتم کو بستی کی سب سے تنگ و تاریک گلی میں لے آیا۔ پھر وہ اُسے ایک مکان میں لے گیا جس کے اندر لوہے کی ایک سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ حاتم اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ایک اندھیرے تہہ خانے میں آ گئے، جہاں کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم نے پوچھا:

"یہاں روشنی نہیں ہے؟"

فرانسیسی گینڈے نے کہا "ابھی روشنی ہو جاتی ہے۔"

حاتم نے اندھیرے میں لوہے کے دروازے کے بند ہونے اور باہر سے تالا لگنے کی آواز سُنی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں اُس کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہوا! اتنے میں تہہ خانہ بجلی کی روشنی سے روشن ہو گیا۔

ایک ڈبّے ایسا تہہ خانہ تھا۔ اس کا ایک ہی لوہے کا دروازہ تھا جسے وہ فرانسیسی گینڈا باہر سے بند کر گیا تھا۔ اس میں کوئی روشن دان تک نہ تھا۔ فرش پہ لکڑی کے کھوکھے بکھرے پڑے تھے۔ حاتم نے دروازے کو ہلانے کی کوشش کی، مگر وہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس پہ ذرا سا

بھی اثر نہ ہوا۔

اچانک کلک کی آواز کے ساتھ لوہے کی مضبوط دیوار ایک جگہ سے ہٹ گئی۔ حاتم نے دیکھا کہ وہی گھنگھریالے بالوں والا ڈاکو اس کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ماتھے پر زخم کا نشان بجلی کی روشنی میں کن کھجورے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے حاتم کی طرف دیکھ کر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا:

"تم ہی وہ عرب ہو جس نے مجھے اُس بیوہ عورت کے گھر میں دیکھا تھا؟ تم اب بھی مجھے گرفتار کروا کر پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتے ہو۔ میں نے تمھاری تلاش میں اپنے آدمی چھوڑ رکھے تھے۔ میری خوش قسمتی اور تمھاری بدقسمتی تمھیں میرے علاقے میں کھینچ لائی ہے۔ اب تم اپنی موت کی تیاریاں شروع کر دو۔ تم اسی تہہ خانے سے اگلے جہان کا سفر کرو گے۔"

اُس نے ایک اور قہقہہ لگایا اور واپس چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی لوہے کی مضبُوط دیوار اپنی جگہ پر دوبارہ آ گئی۔ حاتم سر پکڑ کر لکڑی کے کھوکھے پر بیٹھ گیا۔ "یا خُدا! میں یہ کس نئی مُصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

گھنگھریالے بالوں والے ڈاکو کا نام گرینگو تھا اور اس کے

گینڈے ساتھی کو لوگ لائن کہتے تھے ۔ یہ دونوں بڑے خطرناک ڈاکو تھے ۔ کتنے ہی لوگوں کو لوٹ کر اگلے جہان پہنچا چکے تھے ۔ پھر بھی پولیس کے ہاتھ نہیں لگتے تھے ۔ کیوں کہ وہ اپنے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑتے تھے ۔ پہلی بار حاتم ان کا ثبوت بن گیا تھا جسے انھوں نے پکڑ کر تہہ خانے میں بند کر دیا تھا ۔

تہہ خانے میں کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کتنا وقت گزر گیا ہے ۔ حاتم کے پاس گھڑی نہ تھی ۔ فلسطینی مجاہدوں کے ٹھکانے سے وہ ہلکا سا ناشتا کر کے نکلا تھا ۔ اب اُسے بھوک محسوس ہونے لگی تھی ۔ اس کا مطلب تھا کہ دوپہر کا وقت ہو رہا ہے ۔ کچھ دیر وہ لکڑی کے کھوکھوں پر بیٹھا رہا ۔ پھر کھوکھوں کو آپس میں جوڑ کر اُس پہ لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اس نئی مشکل سے کس طرح نجات حاصل کرے !

حاتم کے جسم میں بڑی طاقت تھی مگر خدا جانے دروازہ کس شے کا بنایا گیا تھا کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوتا تھا ۔

اچانک حاتم کو اناتمی (کنویں والی لاش) کا خیال آ گیا ۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ مشکل وقت میں اس کی مدد کرنے

ضرور آئے گی۔ اس وقت وہ سخت مشکل میں تھا، مگر اناتمی اس کی مدد کو نہیں آ رہی تھی۔ حاتم کو نیند آنے لگی۔ ذرا کی ذرا اس نے ایک جھپکی لی اور پھر بیدار ہو گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ تہہ خانے کی فولادی دیوار کے اوپر، چھت کے قریب، ایک جگہ سے دیوار ہلکے سے شور کے ساتھ تھوڑی سی ہٹی اور ایک چوکور سوراخ پیدا ہو گیا۔ حاتم اس سوراخ کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس میں قاتل گرینگو کا مکروہ چہرہ نمودار ہوا۔ وہ حاتم کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"کہو، دوست! اگلے جہان پہنچنے کی تیاری کر لی ہے کہ نہیں؟ نہیں کی تو کر لو، کیونکہ صرف دس سیکنڈ بعد تم اس دنیا سے کوچ کر چکے ہو گے۔"

حاتم سمجھ گیا کہ اسے ہلاک کرنے کے لیے یہ سوراخ کھولا گیا ہے۔

گرینگو نے ریوالور کی نالی سوراخ میں سے باہر نکالی اور حاتم کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ۔ پوری چھ کی چھ گولیاں حاتم نے اپنے سینے اور سر پر کھائیں اور اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔ گرینگو گولیوں کو حاتم کے جسم سے لگ کر فرش پر

گرنے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے! ایک گوشت پوست کے انسان کے گولیاں لگیں اور وہ اپنی جگہ پر اُسی طرح بیٹھا رہے، یہ کیوں کر ہو سکتا تھا؟ مگر یہ اُس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔

پہلے تو اس نے سوچا کہ حاتم اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے مر گیا ہے۔ مگر جب حاتم نے چھ گولیاں کھانے کے بعد مُسکرا کر کہا:

"تم چاہے فرانس کی ساری توپیں لا کر بھی مجھ پر داغ دو، میں پھر بھی زندہ رہوں گا۔"

تو گرینگو کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ بھاگ کر اپنے ساتھی گینڈے کو بُلا لایا۔ وہ سارا واقعہ سُن کر گرینگو کی عقل کا ماتم کرنے لگا:

"اُستاد، تمھارا دماغ چل گیا ہے۔"

"میرے ساتھ چل کر دیکھ لو۔"

گرینگو اپنے ساتھی کو سوراخ کے پاس لا کر بولا "میں نے ریوالور کی آدھی درجن گولیاں اس شخص پر فائر کی ہیں، اور یہ مزے سے بیٹھا ہوا ہے!"

"گولیاں اس کے لگی تھیں، یا سامنے والی دیوار پر لگی

نہیں؟" گینڈے نے طنز کرتے ہوئے پوچھا۔
گرینگو نے گینڈے کی طرف غصّے سے دیکھ کر کہا "تم اپنا ریوالور آزما کر دیکھ لو۔"
گینڈا جلدی سے اپنا ریوالور لے آیا۔ اس نے بھی حاتم پر پانچ چھ گولیاں چلائیں مگر وہ جُوں کا تُوں بیٹھا ہنستا رہا۔ اس نے دوسری بار گولیاں کھانے کے بعد سُوراخ کی طرف مُنہ کر کے کہا:
"خواہ مخواہ اپنا اسلحہ کیوں ضائع کرتے ہو؟ میں تمہارے ہاتھوں کبھی نہیں مر سکتا۔"
گرینگو نے اپنے ساتھی گینڈے کی طرف دیکھا اور کہا "یہ تو مجھے کوئی بہت بڑا جادُوگر لگتا ہے۔ مگر میں ہر حالت میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ زندہ رہا تو ایک نہ ایک دن پھانسی کا پھندا میرے گلے میں ہو گا۔"
گینڈے نے بڑے غور سے حاتم طائی کو دیکھا، جو تہہ خانے میں ٹہل رہا تھا اور فرش پر سے ریوالور کی گولیاں اُٹھا اُٹھا کر دوسری طرف پھینک رہا تھا۔ پھر گرینگو کی طرف دیکھ کر بولا:
"میں اسے اپنے خنجر سے ہلاک کر سکتا ہوں۔"
"لیکن اسے قابو میں کس طرح کریں گے؟ ہو سکتا ہے اس

میں ہم سے زیادہ طاقت ہو۔ جس پر ریوالور کی گولی اثر نہیں کرتی وہ ہمارے قابو میں کیسے آئے گا؟"
گینڈا بولا "ہم اسے گیس چھوڑ کر بے ہوش کر دیں گے"
"اگر اس پر گیس کا بھی اثر نہ ہوا تو؟"
"تو پھر میرے پاس ایک اور طریقہ بھی ہے۔ مگر پہلے میں اسے گیس سے بے ہوش کر کے دیکھوں گا"
گینڈا اسی وقت اُوپر والے کمرے میں گیا اور الماری میں سے بے ہوش کرنے والی گیس کا ایک بم لے کر آگیا۔ تہہ خانے کے سُوراخ کے پاس آ کر اُس نے بم کی پن نکالی اور بم اندر پھینک کر سُوراخ بند کر دیا۔ حاتم نے بم کو گرتے دیکھا تو مُسکرایا۔ بھلا یہ بم میرا کیا بگاڑ لے گا۔ لیکن جب ہلکی سی آواز کے ساتھ بم پھٹا اور اس میں سے بے ہوشی کی گیس نکلنے لگی تو حاتم گھبرا گیا۔ کیوں کہ گیس سے وہ نہیں بچ سکتا تھا۔ کمرے میں آہستہ آہستہ گیس پھیلنے لگی اور حاتم کا سانس رکنا شروع ہو گیا۔ یہ ویسا ہی بم تھا جو اُس نے قلعے کے تہہ خانے میں اسرائیلیوں پر پھینکا تھا۔
کمرا گیس سے بھر گیا۔ حاتم نے دو چار لمبے لمبے سانس لیے اور پھر بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ کچھ

دیر بعد گرینگو اور اس کے ساتھیوں نے ایک خفیہ ہوادان کے ذریعے گیس باہر نکال دی۔ پھر تہہ خانے میں آ کر حاتم کو اُٹھایا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں لے گئے۔

یہاں اسے ایک میز پر لٹا کر رسّیوں سے باندھ دیا گیا۔ گینڈے نے خنجر نکال کر حاتم کی گردن پر پھیرنا شروع کر دیا۔ خنجر حاتم کی گردن پر یُوں پھر رہا تھا جیسے کسی پتھر پر رگڑا جا رہا ہو۔ وہ گردن میں ذرا سا بھی نہیں کُھب رہا تھا۔ گینڈے نے حیرانی سے گرینگو کو دیکھا۔ پھر حاتم کے سینے پر خنجر کی نوک رکھ کر زور سے دبا دیا۔ خنجر کٹک سے ٹوٹ گیا۔

"حد ہو گئی! یہ تو کوئی جن بھُوت لگتا ہے" گرینگو نے پریشان ہو کر کہا۔

گینڈا اندر سے کلہاڑا اُٹھا کر لے آیا۔ اُس نے حاتم کے جسم پر یُوں کلہاڑا چلانا شرُوع کیا جیسے درخت کاٹ رہا ہو۔ تیسری یا چوتھی ضرب پر کلہاڑا ٹوٹ کر الگ جا پڑا۔ گرینگو نے سر پکڑ کر کہا "اس مُصیبت کو کسی طرح ختم کرو، گینڈے۔ اگر یہ زندہ رہا تو ضرور مجھے پھانسی کے تختے پر پہنچا کر چھوڑے گا۔"

گینڈے نے چُٹکی بجا کر گرینگو کے کان میں کچھ کہا۔

گرینگو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ مسکرا کر بولا "ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ اب یہ شخص ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے گا۔"

"چلو، اسے اسی حالت میں اُٹھا کر لیے چلتے ہیں۔"

اب رات ہو چکی تھی۔ موسم بڑا خراب تھا۔ آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہڈیوں کو جما دینے والی برفیلی ہوا چل رہی تھی اور کالے بادل اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ جیسے ابھی برسے کہ برسے۔ گینڈے کی کالی بند گاڑی مکان کے پچھواڑے پُرانے گیراج میں بند تھی۔ اُنھوں نے حاتم کو اُٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا اور اُوپر کمبل ڈال دیے۔ یوں لگتا تھا جیسے پچھلی سیٹ پر کوئی بیمار آدمی سو رہا ہے۔ گرینگو اور اس کا شاگرد گینڈا اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ گرینگو خود سٹیرنگ پر تھا۔ اُس نے گاڑی باہر نکالی اور گنجان علاقے سے نکل کر پیرس کے شمال کی طرف روانہ ہو گیا۔ گاڑی ایک سڑک پر بھاگی جا رہی تھی۔ دائیں بائیں کہیں کہیں کوٹھیاں تھیں جن میں روشنی ہو رہی تھی اور کہیں کھیت اور درختوں کے جھنڈ تھے۔ ایک جگہ پولیس والوں نے گاڑی روک لی۔

یہاں کسی وجہ سے چیکنگ ہو رہی تھی۔ ٹریفک کا سارجنٹ گرینگو کے پاس آ کر بولا "لائسنس دکھائیے۔"

گرینگو اور گینڈا اپنی گاڑیوں کے کاغذات بالکل ٹھیک رکھتے تھے۔ اسی وقت گینڈے نے پتلون کی جیب سے لائسنس نکال کر سارجنٹ کو دکھا دیا۔ سارجنٹ نے پیچھے ٹارچ کی روشنی ڈال کر پوچھا:

"یہ پچھلی سیٹ پر کون ہے؟"

گرینگو نے بڑے اعتماد سے کہا "آفیسر، یہ ہمارا ایک بیمار ساتھی ہے۔ ہم ہسپتال لے جا رہے ہیں اسے۔"

سارجنٹ نے اپنی ٹوپی ذرا سی اوپر اٹھا کر کہا "شکریہ۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ اسے جلدی سے ہسپتال لے جائیے۔"

اور وہ گاڑی کو تیزی سے آگے لے گئے۔ جب پولیس والوں سے ذرا دور ہوئے تو گرینگو نے زور سے قہقہہ مار کر کہا "کیسا بے وقوف بنایا ان پولیس والوں کو۔" گینڈے نے کہا "اگر سارجنٹ کو ذرا سا بھی شک پڑ جاتا تو ہم مارے گئے تھے۔"

اُن کی گاڑی پیرس شہر سے نکل کر دُور شمالی علاقے کے جنگل کی طرف جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئی۔ اس جنگل میں گروشنکو نام کا ایک آدمی، جو ان لوگوں کا دوست تھا، رہتا تھا۔ وہ افریقہ کے جنگلوں سے ہاتھی، گینڈے،

شیر اور مگرمچھ پکڑ کر لانا، انھیں اپنے جنگل والے چڑیاگھر میں رکھ کر سدھاتا اور پھر یورپ کے چڑیا گھروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ یہ اُس کا بڑا پُرانا کاروبار تھا۔ اس جنگلی کاروبار نے اُسے بھی جنگلی بنا دیا تھا۔ اس کے دل میں کسی جانور کے لیے ذرا سا بھی رحم نہ تھا۔

پیرس شہر سے پچاس میل دُور جنگل میں اس کا اپنا چڑیا گھر تھا۔ جس کے اِرد گرد اونچی پتھریلی دیوار تھی اور کوئی اس کی اجازت کے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ گرینگو اور گینڈا بے ہوش حاتم کو لے کر گروشنکو کے خطرناک چڑیا گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ بہت اُونچا تھا جس میں سے ہاتھی بھی گُزر سکتے تھے۔ اس کا پھاٹک بند تھا۔ گرینگو نے کونے میں دیوار کے اندر لگے ٹیلی فون پر گروشنکو کو اپنا نام بتایا اور کہا کہ وہ ایک کام کے سلسلے میں پیرس سے یہاں آیا ہے۔ گروشنکو جاگ رہا تھا۔ اُس نے بٹن دبایا تو آہنی پھاٹک کُھل گیا۔ گرینگو گاڑی لے کر اندر داخل ہو گیا۔ اندھیرے میں چکّر کاٹتی ہوئی گاڑی ایک چھوٹے سے قلعہ نما مکان کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ گرینگو نے اندر جا کر گروشنکو کو ساری بات بتائی۔ وہ خود باہر آ گیا۔ اس نے چیتے کی کھال کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں مگرمچھ

کی کھال کا ہنٹر تھا، جسے وہ گھما رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی شیر کے پنجرے سے نکل کر آ رہا ہے۔

"آج مجھے ساری رات کام کرنا پڑا، کل اِن جانوروں کو جرمنی روانہ کرنا ہے۔"

پھر اس نے حاتم کو دیکھا جو پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑا تھا۔ گرینگو کی طرف دیکھ کر وہ مُسکرایا اور کہنے لگا:

"اپنے گینڈے سے کہو، اسے اُٹھا کر اندر لے آئے۔"

وہ بے ہوش حاتم کو ایک کمرے میں لے گئے۔ وہاں ایک ٹرالی رکھی تھی جو بجلی کے ذریعے چلتی تھی۔ اس ٹرالی میں بیٹھ کر یہ لوگ کوٹھی کے پچھلے حصّے میں آ گئے، جہاں باغ میں ایک اونچی چھت والی برساتی بنی تھی۔ اس برساتی کے نیچے ایک بلب روشن تھا۔ درمیان میں ایک جگہ کنواں سا تھا، جس کی دیواریں تین تین فٹ اُوپر اُٹھی ہوئی تھیں۔

گروشنکو نے اِشارہ کیا تو گینڈا حاتم کو ٹرالی میں سے نکال کر وہاں لے آیا۔ گرینگو نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا۔ اندر افریقہ کے خوف ناک زہریلے ناگ پھنکار رہے تھے اور بلب کی روشنی میں ان کے سیاہ بل کھاتے، لہراتے جسم چمک رہے تھے۔ گروشنکو نے اپنے ہنٹر کو زور سے پھٹکارا اور مگرمچھ کی طرح ڈکار کر بولا:

"اُس آدمی کو اُٹھا کر میں سانپوں کے کھڈ میں پھینک دوں گا۔ ایک ہی وقت میں اُسے سینکڑوں سانپ ڈس لیں گے اور ان کے زہر سے اس کی لاش پھول کر پھٹ جائے گی۔"

اور پھر وہ بھینسے کی طرح آواز نکال کر بولا:

"لاؤ، اس بدنصیب عرب کو۔"

گرینگو اور گینڈا حاتم کو ڈولی ڈنڈا کر کے سانپوں کے کھڈ کے پاس لے آئے۔ پھر گروشنکو نے ہاتھ اُٹھا کر کہا "پھینک دو!"

اور گینڈے نے بے ہوش حاتم کو اٹھا کر سانپوں کے کھڈ میں پھینک دیا۔ وہ تینوں اُوپر سے جُھک کر نیچے کا بھیانک منظر دیکھنے لگے۔ حاتم کے گرتے ہی افریقہ کے زہریلے سانپوں میں کھلبلی مچ گئی اور انھوں نے حاتم کو ڈسنا شروع کر دیا۔ کالے ناگ پھن اُٹھا اٹھا کر آتے اور جھپٹ کر حاتم کو ڈس لیتے۔ اُس کے جسم کے ساتھ نہ جانے کتنے سانپ لپٹ گئے۔ گروشنکو نے قہقہہ مار کر کہا:

"ابھی اس کی لاش پھول کر پھٹ جائے گی۔"

وہ کھڈ کی دیوار سے لگ کر کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ وحشی گروشنکو کا جسم فتح کی خوشی میں جھوم رہا

تھا۔ گرینگو بھی مُسکرا رہا تھا۔ اس کا دُشمن اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے غار میں داخل ہو چکا تھا۔ گینڈا بھی قریب ہی کھڑا دانت نکوس رہا تھا۔

مگر ایک بات انھوں نے محسوس کی کہ جو سانپ حاتم کو ایک بار ڈستا ہے وہ دوبارہ نہیں اُٹھتا۔ ادھ موا ہو کر گر پڑتا ہے اور پھر سر نہیں اُٹھاتا۔ گروشنکو کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اُس نے غور سے جُھک کر کھڈ میں دیکھا اور کچھ پریشان ہو کر بولا:

"ان سانپوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں رہے!"

یہ اُس کے بڑے قیمتی اور زہریلے سانپ تھے اور اس نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر انھیں افریقہ کے جنگلوں سے پکڑا تھا۔ لیکن اب کھڈ میں اُن کا یہ عالم تھا کہ جیسے مُردہ پڑے ہوں۔ گروشنکو نے اپنے ہنٹر کو ہوا میں لہرا کر کہا:

"میرے سانپ مر رہے ہیں!"

اور اس نے لوہے کی رسّی میں آنکڑا ڈال کر چھوٹی کرین کے ذریعے حاتم کے بے ہوش جسم کو کھڈ کے اندر اُوپر اُٹھا کر اُسے دو تین جھٹکے دیے۔ حاتم کے جسم کے

ساتھ جو سانپ لپٹے ہوئے تھے وہ اس جھٹکے سے نیچے جا گرے۔ گرونشنکو نے حاتم کو باہر نکال کر نیچے جھانک کر دیکھا اور پھر چیخ کر کہا:

"میرے سانپ مر گئے ہیں!"

پھر اُس نے حاتم پر ہنٹر برسانے شروع کر دیے۔ جب ہنٹر مار مار کر وہ تھک گیا تو بے دم سا ہو کر گھاس پر بیٹھ کر ماتھے سے پسینا پونچھتے ہوئے بولا:

"گرہنگو، اگر مجھ پر تمھارے کچھ احسان نہ ہوتے تو میں اپنے سانپوں کی موت کے بدلے میں تمھیں اسی وقت ہلاک کر دیتا۔"

گرہنگو نے کہا "آخر ہوا کیا ہے؟ اس شخص پر سانپوں کے زہر کا اثر کیوں نہیں ہوا؟"

گرونشنکو اُٹھ کر حاتم طائی پر جُھک گیا۔ اس کو خیال آیا کہ اُس نے اس بے ہوش شخص کے جسم پر اتنے ہنٹر برسائے ہیں مگر اس کے جسم پر ذرا سی خراش تک نہیں آئی! یہ کیا ماجرا ہے! وہ اُنگلی سے حاتم کے جسم کو ٹھونک بجا کر دیکھنے لگا۔ اس کی اُنگلی پر یوں چوٹ لگی جیسے وہ کسی سخت پتھر سے ٹکرا رہی ہو۔ وہ گرہنگو کی طرف پلٹ کر بولا:

اُس کا جسم تو پتھّر کا ہو گیا ہے۔ ضرور یہ مر چکا ہے۔"
لیکن حاتم کا سانس چل رہا تھا، دل بھی دھڑک رہا تھا اور چہرہ بھی مُردہ انسان کا سا نہ تھا۔ گرینگو بولا:
"یہ کوئی بہت بڑا جادُوگر لگتا ہے۔"
گروشنکو نے ہنٹر پھٹکار کر کہا "اس نے میرے قیمتی سانپوں کو ہلاک کیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا چاہے یہ کتنا ہی بڑا جادُوگر کیوں نہ ہو۔"
گرینگو بولا "اسے آئفل ٹاور سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔"
گروشنکو ہنسا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرے دونوں شیر کل سے بھوکے ہیں۔ میں اسے شیروں کے پنجرے میں ڈال دُوں گا۔ شیروں کو ان کی خوراک مل جائے گی اور میرا بدلہ اُتر جائے گا۔"

اس کے پاس اس وقت افریقہ کے ببر شیر کا جوڑا تھا۔ یہ بڑے ہی خُون خوار قسم کے شیر تھے۔ ان کی آنکھوں سے سُرخ چنگاریاں نکلتی تھیں۔ گروشنکو انھیں بھوکا رکھ کر چڑیا گھر کے لیے سدھا رہا تھا۔ اس نے حاتم کو وہاں سے اُٹھوایا اور شیروں کے پنجرے کے پاس لے آیا۔

پُر اسرار ہوائی جہاز

شیروں کا پنجرا ایک کوٹھڑی میں تھا۔ شیر اور شیرنی بھوک سے دھاڑ رہے تھے۔ اس وقت اُن کی ایسی حالت تھی کہ ہر ایک کو چیرنے پھاڑنے کو دوڑ رہے تھے۔ گرینگو اور گینڈا ڈر کر دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ حاتم کو انھوں نے زمین پر ڈال دیا تھا۔ گروشنکو نے جیب سے پنجرے کی چابی نکالی اور گرینگو کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

"جُوں ہی میں اشارہ کروں، حاتم کو پنجرے کے اندر پھینک دینا۔ خبردار! بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہو گا۔ اگر یہ شیر باہر نکل آئے تو ہم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

گروشنکو نے تالے میں چابی لگائی۔ دروازہ کھُل گیا۔ شیر اور شیرنی دروازے کے پاس آکر دہاڑنے لگے۔ انسانوں کو دیکھ کر اُن کی بھوک تیز ہو گئی تھی۔ وہ گرج رہے تھے اور سلاخوں پر اپنے نوکیلے پنجے مار رہے تھے۔ گرینگو

گھبرا رہا تھا۔ اس نے اور اس کے ساتھی گینڈے نے بے ہوش حاتم کو اُٹھا لیا۔

گروشنکو نے تھوڑا سا دروازہ کھولا اور کہا "اندر پھینک دو۔"

جُوں ہی گرینگو اور گینڈا حاتم کو اُٹھا کر دروازے کے پاس آئے، بھُوکی شیرنی کا ایک زور دار پنجہ سلاخوں پر پڑا اور دروازہ پٹاخ سے کھُل گیا۔ دروازہ کیا کھُلا، ایک قیامت آ گئی۔ شیر اور شیرنی بجلی کی طرح کڑکتے ہوئے گرینگو اور گینڈے پر گرے۔ گروشنکو گھبرا کر باہر کی طرف بھاگا اور ایک سٹول سے ٹکرا کر اوندھے مُنھ گر پڑا۔ شیر کے ایک ہی پنجے نے گرینگو کا کام تمام کر دیا تھا اور شیرنی نے گینڈے کو ختم کر دیا تھا۔ اس طرح دوسروں کو بے گناہ ہلاک کرنے والوں نے اپنے کیے کی سزا بھُگت لی تھی۔ شیر نے گروشنکو کو باہر کی طرف بھاگتے دیکھا تو اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ لیا۔ گروشنکو نے پستول نکال کر شیر پر گولی چلا دی۔ پہلی گولی شیر کے کان کو چیرتی ہوئی چھت پر جا لگی۔ دوسری گولی اس کی گردن کو چھُوتی ہوئی کونے میں پڑی سُوکھی گھاس کے گٹھے میں جا گھُسی۔ گھاس کا گٹھا خشک تھا۔ گولی

سے اُس میں آگ لگ گئی ۔ شیر اور شیرنی دو روز سے بھوکے تھے ۔ اُنھوں نے گرینگو، گروشنکو اور اُن کے ساتھی گینڈے کو اگلے جہان پہنچا دیا تھا اور اب مزے سے اُن کی ضیافت اُڑا رہے تھے ۔ یہ جگہ ایسی تھی کہ کسی کی آواز باہر نہیں جا سکتی تھی ۔

گھاس کے گٹھے میں لگی ہوئی آگ آہستہ آہستہ سُلگ رہی تھی ۔ حاتم بے ہوشی کی حالت میں فرش پر پڑا تھا ۔ شیر اور شیرنی کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ حاتم کی طرف آتے ۔ وہ بڑے مزے سے دعوت اُڑا رہے تھے ۔

پیٹ بھر گیا اور کوٹھڑی میں دُھواں بھرنے لگا تو وہ دونوں وہاں سے نکل گئے ۔ اب وہاں حاتم بے ہوش پڑا تھا ۔ اور آگ پھیل رہی تھی !

اب ذرا فلسطینی مجاہدین کے خُفیہ ٹھکانے کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں ۔ وہاں حاتم کا انتظار ہو رہا تھا ۔ عُمر پریشان تھا کہ حاتم بلال کی ماں سے ملنے گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا ۔ اسے حاتم کی فکر تھی کیوں کہ پیرس شہر اُس کے لیے اجنبی تھا ۔

دوسری طرف اسرائیلی کمانڈو بھی بھیس بدل کر پیرس میں داخل ہو چکے تھے ۔ وہ فلسطینی لیڈر عُمر کو اغوا کر کے

اپنے پُل کے تباہ ہونے کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ جس شام حاتم بلال کی ماں کے گھر کی طرف روانہ ہوا، اُسی شام ٹیلی وژن کی خبروں میں اس بُوڑھی عورت کی موت کی خبر نشر کی گئی۔ عمُر نے اپنے فلسطینی ساتھی خلیل سے کہا:

"ہمارا دوست حاتم طائی جس عورت کی تلاش میں گیا ہے وہ تو اب دُنیا میں نہیں رہی"

خلیل نے پریشان ہو کر کہا "پھر کیا کرنا چاہیے؟ میرا خیال ہے، چل کر حاتم کو واپس لے آتے ہیں"

"ہاں، چلو"

وہ اپنے خفیہ ٹھکانے سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت اُنھوں نے فلسطینی چھاپا ماروں کا خاص لباس نہیں پہن رکھا تھا، بلکہ عام پتلون اور جیکٹ میں تھے، لیکن کمانڈوز کے پاس فلسطینی لیڈر عمُر کی تصویریں موجود تھیں۔ وہ اس کی شکل و صورت سے واقف تھے۔ انھیں اسرائیلی گوریلا ہیڈ کوارٹر سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ عمُر کو ہر حالت میں پکڑ کے لایا جائے۔

اُدھر عمُر اور خلیل بلال کی مرحوم ماں کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ وہاں سے حاتم جا چکا تھا۔ انھوں نے کافی تلاش کیا

مگر وہ نہ ملا۔ کہیں سے اس کا اتا پتا بھی نہ ملا۔ خلیل کہنے لگا:

"شاید وہ کہیں سیر کو نکل گیا ہے۔ رات ہونے تک واپس آ جائے گا۔"

لیکن عمر کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ پھر بھی وہ خلیل کو ساتھ لے کر اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ دریا کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے۔ یہاں قطار میں گھنے درخت کھڑے تھے جن کی وجہ سے اندھیرا سا ہو گیا تھا۔ اسرائیلی کمانڈوز بھی عمر کی ٹوہ میں تھے اور ایک یہودی، ٹیکسی ڈرائیور کے بھیس میں، عمر اور خلیل کا پیچھا کر رہا تھا۔ یہ ٹیکسی ڈرائیور دریا کنارے ان کے قریب سے ہو کر گزرا اور پھر ذرا آگے جا کر یوں رک گیا جیسے موٹر خراب ہو گئی ہو۔

آہستہ آہستہ، باتیں کرتے ہوئے، عمر اور خلیل گاڑی کے قریب سے گزرنے لگے تو یہودی ٹیکسی ڈرائیور نے بڑی منت سے کہا:

"یا اخی، میں شامی عرب ہوں۔ عمران میرا نام ہے۔ پیرس میں ٹیکسی چلاتا ہوں۔ میری مدد کریں۔ میری گاڑی میں

کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے۔"

یہودی ڈرائیور نے یہ سب جھوٹ بولا تھا۔ وہ یہودی کمانڈو تھا اس لیے اسے عربی زبان خوب اچھی طرح سکھائی گئی تھی اور چونکہ عمر اور خلیل کا تعلق ملک شام سے تھا، اس لیے یہودی جاسوس خاص طور پر شامی لہجے میں عربی بول رہا تھا۔ عمر اور خلیل اپنے شامی بھائی کو مصیبت میں دیکھ کر جھٹ اس کی طرف لپکے۔

یہودی کمانڈو نے پہلے ہی سے ٹیکسی کا بونٹ اٹھا رکھا تھا۔ عمر اور خلیل اس پر جھک کر موٹر کے پرزے جانچنے لگے۔ یہودی جاسوس نے پہلے ہی ایک پرزہ نکال کر سڑک پر گرا دیا تھا۔ آخر خود ہی سڑک پر سے وہ پرزہ اٹھا کر بولا:

"ارے! یہ مل گیا!"

عمر اور خلیل جانے لگے تو یہودی کمانڈو نے بڑی محبت اور ہمدردی سے کہا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟ چلیے، میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔"

یہاں عمر اور خلیل سے غلطی ہو گئی۔ انھیں بڑے سخت آرڈر ہوتے ہیں کہ رات کے وقت کسی غیر آدمی سے لفٹ نہ لی جائے، مگر اس یہودی کمانڈو نے اپنے آپ

کو شامی عرب کی حیثیّت سے کچھ ایسے ڈرامائی انداز میں پیش کیا کہ وہ دھوکے میں آ گئے اور اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"ہمیں دریا کے دوسرے پُل والے چوک پر چھوڑ دینا" عُمر نے شامی عرب سے کہا۔

یہودی کمانڈو خوش ہو کر بولا "الحمدللہ! میں بھی اُدھر ہی جا رہا تھا۔"

ٹیکسی دریا کے اگلے پُل کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہودی جاسوس کے دوسرے کمانڈو ساتھی پُل کی دوسری طرف، درختوں کے اندھیرے میں، کھڑے تھے۔ وہ پُوری تیّاری کر کے آئے تھے، اور بلال کی ماں کے فلیٹ سے ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ جب عُمر اور خلیل دریا کی طرف جا رہے تھے تو یہودی کمانڈوز درختوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے اور انھوں نے یہودی ڈرائیور کو ٹیکسی دے کر پیچھے بھیج دیا تھا کہ دونوں فلسطینی مجاہدوں کو سوار کروا کر اُدھر لائے۔

مکّار اور چالاک یہودی عُمر اور خلیل کو دھوکا دے کر اپنی ٹیکسی میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ جُوں جُوں ٹیکسی دوسرے پُل کے قریب پہنچ رہی تھی، یہودی کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ عُمر کے

پاس بھرا ہوا پستول تھا۔ مگر اس رات وہ اپنی حفاظت کی طرف سے کچھ ایسا لاپروا ہو گیا تھا کہ پستول جو ہمیشہ اس کی پتلون کی جیب میں ہوا کرتا تھا، آج اس کی جیکٹ کے اندر رکھا تھا۔

دریا کا دوسرا پُل قریب آگیا اور اُس پر لگی ہوئی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ پُل کی دوسری طرف اندھیرا تھا۔ وہاں کے کھمبوں کے مرکری بلب کمانڈوز نے توڑ دیے تھے تاکہ وہاں گہرا اندھیرا چھا جائے اور انھیں واردات کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ یہ کُل آٹھ یہودی کمانڈوز تھے۔ دو گاڑیاں پُل کے پاس درختوں میں چھپی ہوئی تھیں جن میں انھوں نے عُمر کو اغوا کر کے لے جانا تھا۔ اس سے آگے چوک میں دو اور گاڑیاں موجود تھیں، کہ راستے میں یہ گاڑیاں کسی وجہ سے خراب ہو جائیں تو فوراً دوسری گاڑیاں استعمال کی جا سکیں۔

جُوں ہی ٹیکسی پُل کی دوسری طرف درختوں کے اندھیرے میں پہنچی، یہودی ڈرائیور نے زور سے بریک لگا دیے۔ عُمر اور خلیل نے ڈرائیور سے پُوچھا "کیا ہوا، یا اخی؟"

"میرا خیال ہے، پچھلا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔"

اس نے وہیں انجن بند کر دیا اور باہر نکل کر پچھلے

پہیئے پر جھک گیا۔ عمر نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا اور پھر پوچھا:

"پنکچر ہے کیا؟"

"ہاں بھائی، پنکچر ہے۔ ذرا یہاں آ کر جیک لگانے میں میری مدد کرنا۔"

یہودی کمانڈو نے ڈکی کھول کر فالتو ٹائر باہر نکال لیا۔ جیک بھی نکال کر سڑک پر رکھ لیا۔ یہ سارا ڈراما وہ اپنے یہودی کمانڈوز ساتھیوں کے لیے کر رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ کم بختو! اب کس کا انتظار کر رہے ہو؟ جلدی سے درختوں میں سے نکل کر حملہ کر دو۔ درختوں کے پیچھے اس کے ساتھی یہودی کمانڈوز یہ سارا تماشا دیکھ رہے تھے اور مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، ان کی دونوں گاڑیاں درختوں کی اوٹ میں تیار کھڑی تھیں۔

عمر اور خلیل گاڑی میں سے نکل آئے۔ عمر جیک لگانے کے لیے جھکا تو اس نے محسوس کیا کہ پچھلا ٹائر پنکچر نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح پھولا ہوا ہے جس طرح ہوا بھرا ٹائر ہوا کرتا ہے۔ اچانک اس کے دل میں ایک شک بجلی کی طرح چمکا کہ کہیں ان کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا! مگر اب دیر ہو چکی تھی۔

جھاڑیوں میں سے یہودی کمانڈو نے نکل کر عمر اور خلیل پر کچھ اس ہوشیاری اور مکّاری سے حملہ کیا کہ ایک بھی گولی نہ چلائی گئی اور وہ دونوں سڑک پر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پیچھے یہودی بھُوتوں کی طرح ہوا میں اُڑتے ہوئے آئے اور خلیل اور عمر کو اپنے سر سے کسی بھاری شے کے ٹکرانے کا اِحساس ہوا اور اس کے بعد انھیں کچھ ہوش نہ رہا۔ وہ اوندھے مُنہ سڑک پر گر پڑے۔

یہودی کمانڈوز نے تین سیکنڈ کے اندر اندر دونوں فلسطینی مُجاہدوں کو اُٹھا کر اپنی کاروں میں ڈال دیا اور پھر یہ سارا قافلہ وہاں سے رفو چکّر ہو گیا۔ چوتھے پانچویں سیکنڈ میں وہ جگہ ایسے سُنسان تھی جیسے وہاں کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ ہاں البتّہ ایک کار وہاں سے گزری تو اس کے اندر بیٹھے ہوئے پیرس کارپوریشن کے ایک افسر نے یہ بات نوٹ کی کہ پُل کی دُوسری جانب کچھ مرکری روشنیاں بجھی ہوئی ہیں۔ وہ بڑا حیران ہوا، کیوں کہ یہ ایک ان ہونی سی بات تھی۔

یہُودی کمانڈوز کی دونوں کاریں سڑک پر اُڑی چلی جا رہی تھیں۔ عمر اور خلیل کو انھوں نے الگ الگ گاڑیوں کی پچھلی سیٹوں پر ڈال دیا تھا اور انھیں بے ہوشی کے

ٹیکے بھی لگا دیے تھے۔ تاکہ کم از کم چھ گھنٹے تک وہ بالکل بے ہوش رہیں۔

شہر سے پچاس میل دور ایک جگہ انگوروں کا فارم تھا، جس کا مالک ایک اسرائیلی تھا۔ وہ ان کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ دونوں مرسڈیز سیاہ کاریں رات کے اندھیرے میں کچی سڑک پر گرد اڑاتی ہوئی فارم کے بڑے سٹور کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئیں۔ فارم کا مالک موٹا گنجا یہودی ٹارچ لیے وہاں کھڑا تھا۔ اس نے گیراج کھول دیا اور کاریں اس کے اندر چلی گئیں۔ گیراج کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

گیراج میں بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں اسرائیلی کمانڈوز نے بے ہوش عمر اور اس کے ساتھی خلیل کو گاڑیوں میں سے نکالا۔ گیراج کے اندر سے ایک خفیہ راستہ ایک چھوٹے زینے کے ذریعے نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا، جہاں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر لگا ہوا تھا۔

تہہ خانے میں فلسطینی مجاہدین کو لوہے کے دو پلنگوں پر لٹا کر ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ وہ اٹھ کر چل پھر تو سکتے تھے مگر بھاگ نہیں سکتے تھے۔ دو کمانڈوز ہر وقت مشین گنیں لیے وہاں پہرا دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اسرائیلی ہیڈ کوارٹر کو، ٹرانسمیٹر کے

ذریعے خفیہ الفاظ میں اطلاع کر دی گئی کہ عمر اور اس کے ساتھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اب ہوائی جہاز بھیجا جائے جس میں سوار کروا کر انھیں پیرس سے تل ابیب پہنچایا جا سکے۔

وہاں سے اسی وقت اطلاع آئی کہ اگلے روز ایک خاص اسرائیلی جہاز اس مقصد کے لیے پیرس روانہ کیا جا رہا ہے۔ یہ جہاز تجارتی سامان لے کر آئے گا اور اس میں دس آدمی ہوں گے۔ جہاز میں فلسطینی مجاہدین کو سوار کر کے تل ابیب پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

پیرس کے ہوائی اڈے پر چیکنگ کا ہونا ضروری تھا۔ یہاں سے کسی بھی شخص کو، خواہ وہ بے ہوش ہی کیوں نہ ہو، یہ بتائے بغیر نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ وہ کون ہے، کیوں بے ہوش ہے اور اسے کس لیے لے جایا جا رہا ہے۔ لہٰذا یہاں پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اسرائیلی لیڈر نے کہا:

"ہوائی اڈے پر خطرہ ہے۔ وہاں فلسطینی جاسوس بھی پھر رہے ہوں گے۔ اگر کوئی ہنگامہ ہو گیا تو وہ گولی چلانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔"

پھر آپ کی کیا رائے ہے؟" ایک ساتھی نے پوچھا۔
اسرائیلی کمانڈو لیڈر نے کہا:
"میرا تو خیال ہے کہ ہم اسے یہاں سے غیر قانونی طور پر نکالنے کی کوشش کریں۔"
"وہ کس طرح؟"
لیڈر نے کہا "ہمارا جہاز ایئر پورٹ کے رن وے پر کافی پیچھے اس جگہ کھڑا کیا جائے گا جہاں رن وے کے دونوں جانب اونچی گھاس اُگی ہوئی ہے۔ ہم رات کے اندھیرے میں ایئر پورٹ کے خار دار تار پار کر کے گھاس میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور پھر عمر اور خلیل کو گھسیٹ کر جہاز میں سوار کرا دیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آتی۔ تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟"
ترکیب معقول تھی اور اس طریقے سے کم از کم ایئر پورٹ پر ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ ٹل جاتا تھا۔ تمام اسرائیلی چھاپا ماروں نے اس ترکیب کو قبول کر لیا۔ اسی وقت تل ابیب ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس پر پیغام بھیجا گیا کہ جو جیٹ ہوائی جہاز اس کام کے لیے روانہ کیا جائے اس کے کپتان کو تاکید کر دی جائے کہ وہ اپنے جہاز کو ایئر پورٹ کے سب سے پچھلے رن وے پر جنوب مشرق کی طرف کھڑا

کرے اور وہیں رہ کر ہمارا انتظار کرے۔

"ہیلو! ہم آدھی رات کے بعد جہاز پر سوار ہونے کی کوشش کریں گے۔"

پیغام اسرائیلی ہیڈ کوارٹرز کو مل گیا۔ اسی وقت لبنان کے دارالحکومت میں اسرائیل کے ایک جیٹ ہوائی جہاز کو حکم ملا کہ دوسرے روز تجارتی سامان لاد کر پیرس ایئرپورٹ پر پہنچے اور ایک خاص جگہ پر جا کر اسرائیلی چھاپا ماروں کا انتظار کرے۔ اسے وہ خفیہ لفظ بھی بتا دیے گئے جن کے ذریعے اسرائیلی چھاپا ماروں نے اس سے بات کرنی تھی۔ وہ خفیہ لفظ تھے: گھوڑا آ گیا۔ شیر کو بلاؤ۔

اب کچھ دیر کے لیے ہم واپس حاتم کے پاس چلتے ہیں۔ وہ گروشنکو کے فارم میں بے ہوش پڑا تھا۔ چاروں طرف آگ لگ رہی تھی اور شعلے حاتم کے قریب پہنچ چکے تھے۔ سخت گرمی کی وجہ سے حاتم کو ہوش آ گیا۔ ویسے بھی اب بے ہوش کر دینے والی گیس کا اثر ختم ہو گیا تھا۔ حاتم نے جب چاروں طرف آگ دیکھی تو اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ صرف آگ سے ڈرتا تھا کیوں کہ دنیا میں اگر کوئی چیز اسے ہلاک کر سکتی تھی تو وہ صرف آگ تھی۔ خدا کا شکر تھا کہ حاتم کو عین اس وقت ہوش

آ گیا جس وقت آگ اُس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اگر گیس کا اثر اس پر چھایا رہتا تو آگ اُسے بے ہوشی کی حالت میں جلا کر راکھ کر ڈالتی۔

ہوش میں آتے ہی حاتم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی، شُعلے ہی شُعلے تھے، اور ان شُعلوں سے بچ کر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے آگ پر کسی نے پانی چھڑک دیا ہو اور اس کے درمیان میں ایک راستہ سا بن گیا ہو۔ اس راستے میں حاتم نے اناتمی کو کھڑے دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مُسکرا رہی تھی۔ پھر وہ غائب ہو گئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ مُصیبت کے وقت اس کی مدد کرے گی۔

حاتم آگ کے درمیان بنے ہوئے راستے میں سے ہو کر باہر نکل آیا۔ اُس نے دیکھا کہ گرونسکو کے چڑیا گھر میں آگ لگی ہوئی ہے اور فائر بریگیڈ کے انجن آگ بجھانے میں مصروف ہیں۔ اس افراتفری میں حاتم کو کسی نے نہ دیکھا۔ وہ چڑیا گھر سے نکل کر سڑک پر آ گیا اور بس میں سوار ہو کر فلسطینی مُجاہدین کے خُفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گیا۔ اُس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

مجاہدین حاتم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اُسے بتایا کہ عُمر اور خلیل تمھاری تلاش میں گئے ہیں۔ حاتم نے اپنی داستان سُنا کر کہا کہ عُمر اور خلیل کسی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں۔ انھیں تلاش کرنا چاہیے۔ حاتم وہاں سے نکل کر بلال کے محلّے میں آیا۔ وہاں سے اُسے عُمر کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ یہاں دو عرب نوجوان آئے تھے، لیکن وہ فوراً ہی واپس چلے گئے۔

ساری رات پیرس میں عُمر اور خلیل کی تلاش جاری رہی۔ دن چڑھ گیا، لیکن ان دونوں کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ شام اور لبنان کے ہیڈ کوارٹروں کو بھی عُمر اور خلیل کے گم ہونے کی خبر کر دی گئی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ انھیں اِغوا کر لیا گیا ہے۔

شام کے وقت فلسطینی مُجاہدین کے جاسوسوں نے خبر کر دی کہ اسرائیل کا ایک خاص ہوائی جہاز ہوائی اڈّے پر کھڑا ہے۔ مُجاہدین اُسی وقت قُلیوں کا لباس پہن کر ہوائی اڈّے پر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ ایک اسرائیلی تاجر اپنا سامان لے کر پیرس آیا ہوا ہے۔ مُجاہدین کسی نہ کسی طرح رن وے پر اُس جگہ پہنچ گئے جہاں جہاز کھڑا تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا تجارتی جہاز تھا۔ شک والی کوئی بات نظر نہیں آتی تھی۔ انھوں نے دُور بینیں لگا کر دیکھا۔ جہاز کی کھڑکیوں میں سے سامان کے بڑے بڑے ڈبے نظر آ رہے تھے۔ اِرد گرد ساری فضا سُنسان تھی۔ کوئی خاص پہرا نہیں لگا تھا۔

اسرائیلیوں نے جان بُوجھ کر پہرا نہیں لگایا تھا تاکہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہ ہو۔ انھیں دن کے وقت پہرا لگانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اُن کا اصل مشن تو آدھی رات کے بعد شروع ہونے والا تھا۔

مُجاہدین واپس آ گئے۔ مگر انھوں نے اپنے ایک مُجاہد کی وہاں ڈیوٹی لگا دی کہ وہ دُور رہ کر جہاز کی نگرانی کرے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات دیکھے تو فوراً انھیں وائرلیس پر اِطّلاع کر دے۔ یہ اُن کی دوسری غلطی تھی۔ انھیں چاہیے تھا کہ وہ خود اُس جہاز کے گرد گھاس کے میدان میں چُھپ کر اُس کی نگرانی کرتے۔ مگر انھوں نے کوئی خاص خیال نہ کیا اور صرف ایک مُجاہد کو وہاں چھوڑ کر واپس اپنے خُفیہ اڈّے پر آ گئے۔

رات ہو گئی۔ ہوائی اڈّا روشنیوں سے جگمگا اُٹھا۔ جہاز سُرخ و سبز بتّیاں جلاتے بُجھاتے اُڑ رہے تھے،

اُتر رہے تھے۔ اسرائیلی جہاز میں ابھی تک اندھیرا تھا۔ فلسطینی مُجاہد جہاز سے ذرا دُور ایئر پورٹ کے قُلی کی وردی پہنے اِدھر اُدھر ٹہل کر جہاز کی نگرانی کر رہا تھا۔ آدھی رات کو یہاں جو واقعہ ہونے والا تھا اُس کا اُسے وہم و گمان تک نہ تھا۔

حاتم دُوسرے مُجاہدین کے ساتھ اُن کے خُفیہ ٹھکانے پر بیٹھا عمر اور خلیل کے بارے میں مختلف جگہوں پر وائرلیس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر ہر ہیڈ کوارٹر اُن کے بارے میں خاموش تھا۔

اُدھر جب گھڑیوں نے رات کے ٹھیک بارہ بجائے تو پیرس کے باہر انگور کے فارم میں سے، اندھیری کچی سڑک پر، دو کالے رنگ کی مرسیڈیز کاریں باہر نکلیں اور انھوں نے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہوائی اڈّے کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

پیرس کے ہوائی اڈّے پر اسرائیل کا تجارتی جہاز کھڑا تھا۔ اس کے پائیلٹ رُوم کی بتّی ٹھیک بارہ بج کر دس منٹ پر جل اُٹھی۔ فلسطینی مُجاہد نے فوراً اپنے ساتھیوں کو وائرلیس کے ذریعے اِطّلاع کر دی کہ جہاز کے اندر کی بتّی روشن ہو گئی ہے۔

اتنے میں پیچھے کی جانب سے دو مرسیڈیز کاریں کھیتوں میں سے ہو کر رن وے پر چڑھ آئیں اور بڑی تیزی سے جہاز کے نیچے آ کر رُک گئیں۔ جہاز کی سیڑھی باہر نکل آئی۔ کاروں کے دروازے تیزی سے کُھلے۔ ان میں دو سٹریچر باہر نکال کر جہاز کے نیچے سامان لے جانے والے تختے پر رکھ کر اُوپر پہنچا دیئے گئے۔

فلسطینی مُجاہد نے دُور بین سے یہ تماشا دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھُول گئے۔ اُس نے جلدی سے وائرلیس پر اطلاع دی کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ جہاز میں کسی کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فلسطینی مُجاہد نے ریوالور سے جہاز پر فائرنگ شروع کر دی۔ اسرائیلی کمانڈوز بھی جواب میں گولیاں چلانے لگے، مگر وہ عُمر اور خلیل کو جہاز میں پہنچا چکے تھے۔ برستی گولیوں میں سارے اسرائیلی کمانڈوز جہاز پر سوار ہو گئے اور جہاز نے رن وے پر آگے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔

جس وقت حاتم اور دُوسرے فلسطینی مجاہد وہاں پہنچے، اس وقت اسرائیلیوں کا جہاز عُمر اور خلیل کو لے کر رن وے سے اُٹھ کر، پیرس شہر کے اُوپر چھائے ہوئے بادلوں کو چیرتا ہوا، اسرائیل کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

حاتم طائی نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور خاموشی سے واپس چل دیا۔ اُس کے ذہن میں ایک منصوبہ تھا، جس کی مدد سے وہ بلال اور اپنے مجاہد ساتھیوں کو اسرائیل کی قید سے آزاد کرا سکتا تھا۔

وہ خطرناک منصوبہ کیا تھا؟
حاتم طائی نے کس طرح خطرے میں کود کر مجاہدین کو فرار ہونے میں مدد دی؟
حاتم طائی سے بلال کی ملاقات کیسے ہوئی؟
اناتمی کی پُراسرار لاش حاتم کو پھر کہاں ملی؟
ان سوالوں کا جواب آپ کو اس ناول کی اگلی قسط "حاتم طائی لبنان میں" میں ملے گا۔

حاتم طائی زندہ ہوگیا!



دُکھیوں کا ہمدرد

بے کسوں کا سہارا

اپنے وقت کا سب سے زیادہ سخی اور بہادُر انسان

جو 1500 سال پہلے عرب میں فوت ہوگیا تھا

دوبارہ زندہ ہوگیا ہے!

آپ اِس کے حیرت انگیز اور جرأت و بہادُری سے بھرپُور کارنامے پڑھتے وقت —— ہر ہر سطر پر، اُچھل اُچھل پڑیں گے ——

وہ، اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر، ایک پاکستانی لڑکے کو بھارت کی قید سے چھڑاتا ہے، فلسطینی مُجاہدوں کے ساتھ مل کر اسرائیل کے فوجی اڈّے اُڑاتا ہے، لندن کے لوگوں کو ایک خوُن خوار انسانی بھوت سے نجات دلاتا ہے۔

آپ کے جانے پہچانے ادیب **اے حمید** کے اس دِل چسپ اور حیرت انگیز **ناول** کے پانچ حصّے چھپ چکے ہیں ——

- حاتم طائی لاہور میں
- حاتم طائی دِلّی میں
- حاتم طائی پیرس میں
- حاتم طائی لبنان میں
- حاتم طائی لندن میں



فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی

ISBN: 969 0 00265 1



Rs. 150.00